جامعہ دارالتقویٰ لاہور کا ترجمان

ماہنامہ دارالتقویٰ لاہور

صفر ۱۴۴۱ھ -- اکتوبر 2019ء

حجاب کے معاملے پر حکومت کی پسپائی

ماہِ صفر اور توہم پرستی

نصرت الٰہی سے محرومی کے اسباب

نفع کی شرح کیا ہو

قارئین کرام کے نام!

بحمد للہ تعالیٰ ''ماہنامہ دار التقویٰ'' مسلسل اشاعت کی نو بہاریں دیکھ چکا ہے۔ آپ حضرات کی طرف سے ''ماہنامے'' کی ترویج و ترقی کیلئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ بھرپور عملی تعاون پر ادارہ آپ کا ممنون ہے اور پُر امید ہے کہ آپ پہلے سے بڑھ کر اپنے حلقہ احباب اور اعزہ و اقرباء کو ترغیب کے ذریعے ''ماہنامہ'' کے مستقل قاری بنانے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہوں گے۔ آپ کا یہ عمل' خیر کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بن کر "وتعاونوا علی البر والتقویٰ" اور "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" پر ملنے والے اجر وجزا کا سبب ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ آپ ایک سے زائد رسالے جاری کروا کر اپنے مرحوم والدین، رشتہ دار، اساتذہ اور جملہ مرحومین کے ایصال ثواب کا مستقل بندوبست فرما سکتے ہیں۔

ہماری روز اول سے یہ کوشش رہی ہے کہ رسالے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنایا جائے، جو مواد منتخب کیا جائے وہ مستند ہونے کے ساتھ ساتھ قارئین کی دنیا و عقبیٰ کے لئے نافع بھی ہو اور عمل پر بھی اُبھارے۔ اس معیار کو مزید بہتر بنانے کے لئے ادارہ آپ کی مفید و قابل عمل تجاویز کا خیر مقدم کرے گا آپ اپنی تجاویز ہمیں درج ذیل پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔

دفتر ماہنامہ دار التقویٰ الہلال مسجد چوبرجی پارک لاہور
03005553616

email;monthlydarultaqwa@gmail.com

ماہنامہ
دار التقویٰ
لاہور

ہر گھر کے لئے

ہر ماہ باقاعدگی سے
شائع ہونے والا تربیتی
اصلاحی و تبلیغی رسالہ

ہر فرد کے لئے

کاروباری و تاجر حضرات اپنے کاروبار اور مصنوعات کی مؤثر تشہیر کے لئے "دار التقویٰ" کا انتخاب کریں

- آپ کے کاروبار کی مؤثر تشہیر بھی۔۔۔
- اور باعث اجر و ثواب بھی۔۔۔
- آج ہی اپنی کاپی بک کرائیں۔

برائے رابطہ: 03005553616

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ

دار التقویٰ

لاہور

بدعا حضرتِ اقدس ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد 9

شمارہ 2

صفر ۱۴۴۱ھ -- اکتوبر 2019ء

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عثمان صاحب
حضرت مولانا عامر رشید صاحب
حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مدیر

حضرت مولانا اویس احمد صاحب

مدیر مسئول

مولانا عبدالودود ربانی

مجلس ادارت

مفتی محمد اسامہ
مولانا ذوالکفل

ماہنامہ دارالتقوی

اکتوبر 2019ء

فہرست

فی شمارہ: ۳۰ روپے
سالانہ بدل خرچ: ۳۵۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دارالتقوی
متصل جامع مسجد الہلال
چوبرجی پارک لاہور
سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے
مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں

فون نمبر:
04235967905
03005553616

اس دائرے میں سرخ نشان ○
مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

Email Address
monthlydarultaqwa
@gmail.com

مقام اشاعت:

متصل جامع مسجد الہلال
چوبرجی پارک لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر

1001820660001
ٹائٹل اکاؤنٹ دارالتقویٰ ٹرسٹ
ایم آئی بی برانچ کوڈ 159 (مسلم کمرشل بینک)

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

اداریہ

حجاب کے معاملے پر حکومت کی پسپائی	مدیر مسؤل	5

درس قرآن وحدیث

ایفائے عہد اور حلال جانوروں کے گوشت کھانے کا حکم	مفتی شفیع صاحبؒ	10
مشاجرات صحابہؓ کے معاملے میں امت کا عقیدہ	مفتی شفیع صاحبؒ	15

مقالات ومضامین

ماہِ صفر اور توہم پرستی	مفتی وقاص رفیع	22
حجاب! خواتین کا محافظ	مولانا محمد مبشر بدر	26
نصرت الٰہی سے محرومی کے اسباب	مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ	30
نفع کی شرح کیا ہو	مفتی فیصل احمد	36
جس نے ماسکو فتح کیا	جاوید چوہدری	39
حضرت عثمان غنیؓ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات	لئیق احمد نعمانی	44
جہان دیدہ	مفتی تقی عثمانی مدظلہٗ	54
گوشۂ طلبہ	لئیق احمد نعمانی	59
آپ کے مسائل اور ان کا حل	دارالافتاء والتحقیق	62
جامعہ کے شب وروز	مولانا طاہر جمیل	66

حرفِ اوّلیں

حجاب کے معاملے پر حکومت کی پسپائی

خیبر پختونخوا حکومت نے سکولوں اور کالجز میں طالبات کے لئے حجاب لازمی قرار دینے کا نوٹیفکیشن لبرل مافیا کے دباؤ میں آ کر چند گھنٹوں میں ہی واپس لے لیا، وزیر اعلیٰ محمود خان نے محکمے کو ہدایت کی کہ وہ طالبات کو لازمی عبایا پہننے کا حکم واپس لیں۔ ملک کو ریاست مدینہ بنانے کی دعویدار حکومت ایسی گھبرائی کہ صبح دفاتر کھلنے کا انتظار بھی نہ کر سکی وزیر اطلاعات خیبر پختونخوا شوکت یوسف زئی نے رات گئے ہنگامی پریس ریلیز جاری کر کے اس نوٹیفکیشن کو واپس لینے کا اعلان کیا۔ خیبر پختونخوا کے مشیر تعلیم ضیاء اللہ بنگش کا کہنا تھا کہ طالبات کے لئے پردے کے حکم نامے کا مقصد طالبات کو جنسی ہراساں کیے جانے سے بچانا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ضلع پشاور کے ساتھ قبائلی اضلاع موجود ہیں، کوہستان کا علاقہ ہے جبکہ صوبے کی بھی اپنی روایات ہیں اور ہمارے مذہبی اقدار ہیں اور ان مذہبی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے فیصلے کرنے ہیں، ایسے فیصلے کرنے ہیں جن کے ذریعے سے والدین اس جانب مائل ہوں کہ وہ اپنی بچیوں کو تعلیم فراہم کرنے کے لیے ماحول کو محفوظ تصور کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ فیصلہ والدین کی حوصلہ افزائی کے لیے کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنی بچیوں کو اسکول بھیجیں۔ مشیر تعلیم کا مزید کہنا تھا کہ جس وقت ہم تعلیم کے حوالے سے صوبے میں مہم چلا رہے تھے تو کچھ ایسی چیزیں ہمارے سامنے آئیں، جن کے سد باب کے لیے ہم نے مقامی اسٹیک

ہولڈرز سے مشاورت کی اور انہیں یقین دہانی کروائی کہ لڑکیاں تعلیم کے حصول کے لیے عبایا، چادر یا گاؤن، جس کے ذریعے وہ خود کو مکمل طور پر ڈھانپ سکیں، پہن کر آئیں تاکہ ان کے والدین کے شکوک شبہات کو ختم کیا جا سکے۔

خیبر پختونخواہ حکومت کا طالبات کے لئے حجاب کا فیصلہ اگرچہ ابتدائی طور پر صرف دو اضلاع کے لئے تھا پھر بھی ملک کے تمام سنجیدہ حلقوں کی طرف سے اس کی تعریف کی گئی، سوشل میڈیا پر عوام کی جانب سے اسے خوب سراہا گیا۔ ٹوئٹر پر ”حجاب اسلامی تہذیب کی پہچان“ کے عنوان سے ٹاپ ٹرینڈ بن گیا۔ ہزاروں صارفین نے اس فیصلے کو شاندار قرار دیتے ہوئے پورے ملک میں عملدرآمد کرانے کا مطالبہ کیا، ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس فیصلے کی پزیرائی کی لیکن بڑے پیمانے پر عوامی حمایت بھی اس نوٹیفیکشن کو نہ بچا سکی اور ریاست مدینہ میں حجاب کی بات کرنا ہی جرم بنا دیا گیا۔

حجاب کے حکم نامے کی منسوخی پر ملک بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی مذہبی حلقوں سمیت تمام طبقہ ہائے فکر کے لوگوں نے اس کی منسوخی کو سخت ناپسندیدگی سے دیکھا، عالم اسلام کی نامور شخصیت و سابق چیف جسٹس شریعہ کورٹ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہٗ نے عبایا کو لازمی قرار دیئے جانے کا حکم نامہ منسوخ کرنے پر وزیر اعظم عمران خان سے نوٹس لینے کا مطالبہ کیا۔ ٹوئٹر پر جاری اپنے ایک بیان میں کہا کہ طالبات کو عبایا پہننے کی تاکید قرآن کریم کے عین مطابق تھی اور مبارکباد کی مستحق، لیکن افسوس کہ خیبر پختونخوا کی حکومت نے فوراً اس نوٹی فکیشن کو منسوخ کر دیا'۔ انہوں نے کہا کہ 'اس وقت خاتون اوّل بھی پردہ نشین ہیں اور ان کے شوہر (وزیر اعظم) ریاست مدینہ کے داعی، کیا وہ اس حرکت کا نوٹس نہیں لیں گے؟

ملک کا لبرل و سیکولر طبقہ جو بمشکل ہی کل آبادی کا 2 فی صد ہے اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے اور اسلامی اقدار و تعلیمات کے مطابق کسی بھی حکم نامے کے اجرا اور نفاذ کی مخالفت کرنے اور اسے منسوخ کرانے کے لئے منظم کمپین چلانے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے، یہاں بھی یہی ہوا، اِدھر حکم نامہ جاری ہوا اور اُدھر ان کی چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ مقبوضہ کشمیر میں ظلم و ستم پر خاموش رہنے والا این جی اوز زدہ طبقہ اور موم بتی مافیا اپنے بلوں سے نکل کر یوں آہ و پکار کرتا نظر آیا جیسے کوئی بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہو۔ سوشل میڈیا پر تو مختلف سیکولر صحافیوں اور شخصیات نے عبایا و چادر اوڑھنے کے اس ہدایت نامے کو آڑے ہاتھوں لیا ہی لیکن الیکٹرانک میڈیا کی چیخ و پکار اس سے کہیں زیادہ تھی۔ جیو ٹی وی نے اپنے مارننگ شو میں اس کا خوب مذاق اڑایا اور شدید تنقید کی۔

اس واضح قرآنی حکم پر خوب رائے زنی کی۔ باقاعدہ پلاننگ اور بھرپور پریشر کی بدولت اس نوٹیفیکشن کو رات گئے واپس کرایا گیا۔ حکومت اس مخصوص طبقے کا پریشر چند گھنٹے بھی برداشت نہ کر سکی اور وزیر اعلیٰ خیبر پختونخواہ نے بذات خود مداخلت کرتے ہوئے اس نوٹیفیکشن کو کالعدم کرا دیا۔ اس واقعے سے آپ ارض پاک میں لبرل وسیکولر طبقے کے اثر ورسوخ کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صرف دو اضلاع میں مقامی سطح پر جاری ہونیوالے ایک نوٹیفیکشن کو کس طرح قومی ایشو بنا دیا گیا اور سوشل و الیکٹرانک میڈیا کی تیز ترین مہم کے ذریعے اس کو چند گھنٹوں میں واپس بھی کرا دیا۔ نوٹیفکیشن کے واپس ہونے پر اسی مخصوص طبقے کو میڈیا پر ایک دوسرے کو مبارک بادیں دیتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔

ایسا پہلی بار نہیں ہوا کہ اس پردے وحجاب اور اسلامی احکامات کے معاملے پر لبرل وسیکولر طبقے نے اسلام کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کیا ہو۔ چند روز پہلے یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور نے کیمپس میں لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے بیٹھنے پر پابندی لگائی تو یہ نوٹیفیکشن بھی چند گھنٹوں میں ہی واپس کرا دیا گیا۔ یونیورسٹی انتظامیہ کو باقاعدہ معذرت کرنا پڑی۔ اگر حجاب کی بات ہو تو یہ مخصوص طبقہ شخصی آزادی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے لیکن یہی اصول تب نظر انداز کر دیا جاتا ہے جب کسی لڑکی کو باحجاب ہونے کی وجہ سے داخلہ نہیں ملتا یا کسی مقابلے میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جب فرانس اور دیگر مغربی ممالک میں حجاب پر پابندی لگتی ہے تو تب انہیں انسانی وشخصی حقوق یاد نہیں آتے۔ جب سکولز میں کلرز ڈے اور ہالووین منائے جاتے ہیں ویلنٹائن ڈے کی تقریبات میں خاص لباس پہن کر شرکت کا پابند بنایا جاتا ہے، تب شخصی آزادی اور مرضی کا لباس پہننے کا اصول یاد نہیں رہتا۔ کئی تعلیمی اداروں میں زبردستی حجاب سے روکا جاتا ہے۔ ایسے واقعات روز بروز ہوتے ہیں کہ جب محض حجاب کی وجہ سے کسی لڑکی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس معاملے پر کوئی نہیں بولتا اور حکومت کے کان پر بھی جوں تک نہیں رینگتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور احکامات پر عمل پیرا ہونا ہی اسلام ہے جو مومنین اور مومنات کو پردے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ”اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں“ سورۃ الاعراف، آیت نمبر 26

اس حوالہ سے قرآن پاک میں ایک اور جگہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے کہ جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد یا اپنے خسر کے یا اپنے بہن، بھائیوں اور بچوں کے‘‘۔

احادیث مبارکہ میں بھی پردے کی اہمیت اور ضرورت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ’’حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا گھر (آنگن) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور (اندرونی) کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے‘‘ (سنن ابو داؤد) یعنی عورت جس قدر پردہ کرے گی اسی قدر بہتر ہے، صحن میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں کمرہ میں نماز پڑھنا افضل ہے اور کمرہ میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں کمرہ کے اندر بنی ہوئی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جیسے کسی بھی مرد کا کسی خاتون پر نظر ڈالنا درست نہیں اور پہلی نظر کی معافی کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے ایسے ہی خواتین کو بھی حکم ہے کہ وہ مردوں پر نظر نہ ڈالیں، اس حوالہ سے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ’’حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے پاس تھی اور آپ ﷺ کے پاس حضرت میمونہؓ بھی تھیں۔ سامنے سے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم (جو نابینا تھے) تشریف لائے اور یہ واقعہ پردہ کا حکم دیئے جانے کے بعد کا ہے، رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ’’ان سے تم دونوں پردہ کرو، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’وہ تو نابینا ہے آپ تو نابینا نہیں ہو‘‘ (سنن ابو داؤد) تو اس حدیث سے ثابت ہے کہ خواتین کو بھی مردوں سے پردہ کرنا چاہئے اور نگاہ نہیں ڈالنی چاہئے چاہے وہ مرد بصارت سے محروم ہی کیوں نہ ہو۔

’’حجاب مسلمان عورتوں کے لئے اللہ کا حکم ہے‘‘، جس کو ماننے یا نہ ماننے کی آپشن نہیں دی گئی بالخصوص موجودہ حالات میں کہ جب انٹرنیٹ کے مضر اثرات موبائل فون کے ذریعے ہر بچے تک پہنچ رہے ہیں، ہمارے ٹی وی چینل بھی جس قسم کے ڈرامے دکھا رہے ہیں وہ ہماری مذہبی اور سماجی اقدار کے برعکس ہیں، ہم ان سب ذرائع کو بچوں سے دور نہیں کر سکتے مگر گھر اور تعلیمی اداروں میں اپنی مضبوط اقدار کو اجاگر کر کے بچوں میں اخلاقی مضبوطی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، ہمارے مذہب نے لباس کی اہمیت اس لئے واضح کی ہے کہ

لباس بنیادی عنصر ہے، تعلیمی اداروں سے پہلے گھروں میں بچوں کے لباس پر توجہ دینا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ضروری ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو شرعی پردہ اور ستر کے بارے میں سمجھایا جائے پردہ صرف خواتین ہی نہیں مردوں کیلئے بھی ہے، بعض مرد جو شارٹس پہن کر اور گھٹنے ننگے کر کے گھروں میں پھرتے ہیں یہ بھی بے پردگی کے زمرے میں ہی آتا ہے، یہ احساس بچپن میں ہی بچوں کو دلانا ضروری ہے کہ مرد کا پردہ کیا ہے اور عورت کا کیا، گھر سے باہر نکلتے اور سکول یا کالج جاتے ہوئے اس کی پابندی کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ طالبات کے لئے اس میں تحفظ بھی ہے۔

اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی ریاست پاکستان میں ایک ایسے اقلیتی طبقے کی طرف سے جو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے شعائر اسلام کی کھلم کھلا مخالفت اور اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف ہرزہ سرائی مذہبی حلقوں کے لئے تو باعث تشویش ہے ہی ہر کلمہ گو مسلمان بھی انگشت بدنداں ہے کہ یہ موم بتی مافیا کس طرح زور دھونس اور دباؤ کے ذریعے ریاست پاکستان سے اپنی مرضی کے فیصلے کرالیتا ہے، ریاست ان کے آگے کیوں بے بس اور مجبور نظر آتی ہے۔ قوم کو چاہیئے کہ اس تشویش کو سنجیدہ لے، اگر مٹھی بھر لوگ بھرپور احتجاج اور کمپین کے ذریعے ہماری مذہبی وقومی شعار کے حامل فیصلوں کو منسوخ کروا سکتے ہیں تو ہم غالب اکثریت ہونے کے باوجود مؤثر حکمت عملی اپنا کر حکومت وقت کو قومی وملی وقار، مشرقی اقدار اور اسلامی تعلیمات کے حامل فیصلوں کی منسوخی کے حکم نامے کو واپس لینے پر مجبور کیوں نہیں کر سکتے۔ یاد رکھیں عوام اگر اسی طرح سوتی رہی تو عین ممکن ہے کہ یہ لبرل اور سیکولر مافیا آئین پاکستان سے ان اسلامی شقوں کو بھی نکلوانے میں کامیاب ہوجائے جو اس آئین کو دیگر اسلامی ممالک کے آئین سے ممتاز کرتی ہیں اور دشمن کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں۔

والسلام
عبدالودود ربانی
مدیر مسؤل

درسِ قرآن

مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ایفائے عہد اور حلال جانوروں کا گوشت کھانے کا حکم

۞ سورۃ المائدہ...... ۞ ... آیت نمبر 1 ... ۞

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوۡفُواْ بِٱلۡعُقُودِۚ أُحِلَّتۡ لَكُم بَهِيمَةُ ٱلۡأَنۡعَٰمِ إِلَّا مَا يُتۡلَىٰ عَلَيۡكُمۡ

غَيۡرَ مُحِلِّي ٱلصَّيۡدِ وَأَنتُمۡ حُرُمٌۗ إِنَّ ٱللَّهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيدُ ○

ترجمہ:

"اے ایمان والو!" پورا کرو عہدوں کو حلال ہوئے تمہارے لیے چوپائے مویشی سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جاویں گے مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے"۔

سورت کا شانِ نزول اور خلاصہ مضامین:

یہ سورۃ مائدہ کی ابتدائی آیت ہے۔ سورۃ مائدہ بالاتفاق مدنی سورۃ ہے اور مدنی سورتوں میں بھی آخر کی سورت ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس کو قرآن کی آخری سورت بھی کہا ہے۔ مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر (رض) واسماء بنت یزید منقول ہے کہ سورۃ مائدہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ سفر میں عضبا نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ نزول وحی کے وقت جو غیر معمولی ثقل اور بوجھ ہوا کرتا تھا حسب دستور اس وقت بھی ہوا۔ یہاں تک کہ اونٹنی عاجز ہوگئی۔ تو آپ ﷺ اس سے

نیچے اتر آئے۔ یہ سفر بظاہر حجۃ الوداع کا سفر ہے جیسا کہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حجۃ الوداع ہجرت کے دسویں سال میں ہوا، اور اس سے واپسی کے بعد رسول کریم ﷺ کی دنیوی حیات تقریباً اسی (80) دن رہی۔ ابن حبان نے بحر محیط میں فرمایا کہ سورۃ مائدہ کے بعض اجزاء سفر حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ کے سفر میں اور بعض حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت نزول قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی ہے۔ خواہ بالکل آخری سورت نہ ہو۔

روح المعانی میں بحوالہ ابو عبید حضرت حمزہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس کی یہ روایت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے منقول ہے۔ المائدة من أخر القرأن تنزيلا فاحلو احلالها واحترموا حرامها۔ یعنی سورۃ مائدہ ان چیزوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے آخری دور میں نازل کی گئی ہیں۔ اس میں جو چیز حلال کی گئی ہے اس کو ہمیشہ کے لئے حلال اور جو چیز حرام کی گئی ہے اس کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھو۔

اسی قسم کی ایک روایت ابن کثیر نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت جبیر بن نفیرؓ سے نقل کی ہے کہ وہ حج کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جبیر تم سورۃ مائدہ پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں پڑھتا ہوں۔ صدیقہؓ نے فرمایا کہ یہ قرآن پاک کی آخری سورۃ ہے اور اس میں جو احکام حلال وحرام کے آئے ہیں وہ محکم ہیں۔ ان میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ ان کا خاص اہتمام کرو۔ سورۃ مائدہ میں بھی سورۃ نساء کی طرح فروعی احکام، معاملات، معاہدات وغیرہ کے زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ اسی لئے روح المعانی نے فرمایا ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران باعتبار مضامین کے متحد ہیں۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر احکام اصول عقائد، توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کے آئے ہیں۔ فروعی احکام ضمنی ہیں اور سورۃ نساء اور مائدہ باعتبار مضامین کے متحد ہیں کہ ان دونوں میں بیشتر فروعی احکام کا بیان ہے، اصول کا بیان ضمنی ہے۔ سورۃ نساء میں باہمی معاملات اور حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔ شوہر بیوی کے حقوق، یتیموں کے حقوق، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ سورۃ مائدہ کی پہلی آیت میں بھی ان تمام معاملات اور معاہدات کی پابندی اور ان کے پورا کرنے کی ہدایت آئی ہے۔ یا ایها الذين أمنوا اوفوا بالعقود۔ اسی لئے سورۃ مائدہ کا دوسرا نام سورۃ عقود بھی ہے۔ (بحر محیط)

معاہدات اور معاملات کے بارے میں یہ سورۃ اور بالخصوص اس کی ابتدائی آیت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے جب عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا اور ایک فرمان

لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔ تو اس فرمان کے سرنامہ پر آپ ﷺ نے یہ آیت تحریر فرمائی تھی۔

معارف ومسائل

اس سورت کی پہلی آیت کا پہلا جملہ ایک ایسا جامع جملہ ہے کہ اس کی تشریح وتفسیر میں ہزاروں صفحات لکھے جاسکتے ہیں ارشاد ہے یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ یعنی اے ایمان والو اپنے معاہدوں کو پورا کیا کرو۔ اس میں پہلے یا ایھا الذین آمنوا سے خطاب فرما کر مضمون کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا گیا کہ اس میں جو حکم ہے وہ عین ایمان کا تقاضا ہے۔ اس کے بعد حکم فرمایا اوفوا بالعقود۔ لفظ عقود عقد کی جمع ہے۔ جس کے لفظی معنی باندھنے کے ہیں۔ اور جو معاہدہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں بندھ جائے اس کو بھی عقد کہا جاتا ہے۔ اس لئے بمعنی عہود ہو گیا۔

امام تفسیر ابن جریرؒ نے مفسرین صحابہ وتابعین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ امام جصاصؒ نے فرمایا کہ عقد کہا جائے یا عہد ومعاہدہ، اس کا اطلاق ایسے معاملہ پر ہوتا ہے جس میں دو فریق نے آئندہ زمانے میں کوئی کام کرنے یا چھوڑنے کی پابندی ایک دوسرے پر ڈالی ہو۔ اور دونوں متفق ہو کر اس کے پابند ہو گئے ہوں۔ ہمارے عرف میں اسی کا نام معاہدہ ہے اسی لئے خلاصہ مضمون اس جملہ کا یہ ہو گیا کہ باہمی معاہدات کا پورا کرنا لازم وضروری سمجھو۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدات سے کون سے معاہدات مراد ہیں۔ اس میں حضرات مفسرین کے اقوال بظاہر مختلف نظر آتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے اس سے مراد وہ معاہدات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ایمان واطاعت کے متعلق لئے ہیں۔ یا وہ معاہدات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کئے ہوئے احکام حلال وحرام سے متعلق اپنے بندوں سے لئے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے اور بعض نے فرمایا کہ معاہدات سے اس جگہ وہ معاہدات مراد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کر لیا کرتے ہیں۔ جیسے معاہدہ نکاح، معاہدہ بیع وشراء وغیرہ۔ مفسرین میں سے ابن زید اور زید بن اسلم اسی طرف گئے ہیں۔ اور بعض نے فرمایا کہ معاہدات سے وہ حلف اور معاہدے مراد ہیں جو زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے سے باہمی امداد کے لئے لیا کرتے تھے۔ مجاہد، ربیع، قتادہ وغیرہ، مفسرین نے بھی یہی فرمایا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں۔ بلکہ یہ سب قسم کے معاہدات لفظ عقود کے تحت میں داخل ہیں اور سبھی پورے کرنے کے لئے قرآن کریم نے ہدایت دی ہے۔

اسی لئے امام راغب اصفہانیؒ نے فرمایا کہ معاہدات کی جتنی قسمیں ہیں سب اس لفظ کے حکم میں داخل ہیں اور پھر فرمایا کہ اس کی ابتدائی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ معاہدہ جو انسان کا رب العالمین کے ساتھ ہے۔ مثلاً ایمان، اطاعت کا عہد یا حلال وحرام کی پابندی کا عہد۔ دوسرے وہ معاہدہ جو ایک انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ ہے، جیسے کسی چیز کی نذر اپنے ذمہ مان لے، یا حلف کر کے کوئی چیز اپنے ذمہ لازم کر لے، تیسرے وہ معاہدہ جو ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہے۔ اور تیسری قسم میں وہ تمام معاہدات شامل ہیں جو دو شخصوں یا دو جماعتوں یا دو حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

اس کے بعد آیت کے دوسرے جملہ میں اس عام ضابطہ کی خاص جزئیات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے احلت لکم الانعام۔ لفظ بھیمۃ ان جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے، جن کو عادۃً غیر ذوی العقول سمجھا جاتا ہے کیونکہ لوگ ان کی بولی کو عادۃً نہیں سمجھتے تو ان کی مراد مبہم رہتی ہے۔ اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بہیمہ کو بہیمہ اس لئے نہیں کہتے کہ اس کو عقل نہیں اور عقل کی باتیں اس پر مبہم رہتی ہیں۔ جیسا کہ لوگوں کا عام خیال ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عقل وادراک سے کوئی جانور بلکہ کوئی شجر وحجر بھی خالی نہیں۔ ہاں درجات کا فرق ضرور ہے۔ ان چیزوں میں اتنی عقل نہیں ہے جتنی انسان میں اسی لئے انسان کو احکام کا مکلف بنایا گیا ہے۔ جانوروں کو مکلف نہیں بنایا گیا۔ ورنہ اپنی ضروریات زندگی کی حد تک ہر جانور بلکہ ہر شجر وحجر کو حق تعالیٰ نے عقل وادراک بخشا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ وان من شی الا یسبح بحمدہ۔ عقل نہ ہوتی تو اپنے خالق ومالک کو کس طرح پہچانتی اور کس طرح تسبیح کرتی۔

امام شعرانیؒ کے فرمانے کا خلاصہ یہ ہے کہ بہیمہ کو بہیمہ اس لئے نہیں کہتے کہ اس کی بے عقلی کے سبب معلومات اس پر مبہم رہتے ہیں بلکہ اس لئے کہ اس کی بولی لوگ نہیں سمجھتے۔ اس کا کلام لوگوں پر مبہم رہتا ہے۔ بہرحال لفظ بہیمہ ہر جاندار کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چوپایہ جانداروں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اور لفظ انعام نعم کی جمع ہے۔ پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ جن کی آٹھ قسمیں سورۃ انعام میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان کو انعام کہا جاتا ہے۔ بہیمہ کا لفظ عام تھا۔ انعام کے لفظ نے اس کو خاص کر دیا۔ مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ گھریلو جانوروں کی آٹھ قسمیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں۔ لفظ عقود کے تحت میں ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ تمام معاہدات داخل ہیں۔ ان میں سے ایک معاہدہ وہ بھی ہے جو اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں سے حلال وحرام کی پابندی کے متعلق لیا ہے۔ اس جملہ میں اس خاص معاہدہ کا بیان آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اونٹ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ کو حلال کر دیا ہے۔ ان کو شرعی قاعدہ کے موافق ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی ان حدود کے اندر رکھ کر پابندی کرو۔ نہ تو مجوسی اور بت پرستوں کی طرح مطلقاً ان جانوروں کے ذبح ہی کو حرام قرار دو کہ یہ حکمت حق جل شانہ، پر اعتراض اور اس کی نعمت کی ناشکری ہے۔ اور نہ دوسرے گوشت خور فرقوں کی طرح بے قید ہو کر ہر طرح کے جانور کو کھا جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے تحت جن جانوروں کو اس نے حلال کیا ہے ان کو کھاو۔ اور جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے ان سے بچو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات ہے۔ وہ ہر جانور کی حقیقت اور خواص سے اور انسان کے اندر ان سے پیدا ہونے والے اثرات سے واقف ہے۔ وہ طیبات یعنی پاک اور ستھری چیزوں کو انسان کے لئے حلال کر دیتے ہیں۔ جن کے کھانے سے انسان کی جسمانی صحت پر یا روحانی اخلاق پر برا اثر نہ پڑے اور گندے ناپاک جانوروں سے منع فرماتے ہیں۔ جو انسانی صحت کے لئے مہلک ہیں یا ان کے اخلاق خراب کرنے والے ہیں۔ اسی لئے اس حکم عام سے چند چیزوں کا استثناء فرمایا۔

پہلا استثناء یہ ہے، الا ما یتلی علیکم۔ یعنی بجز ان جانوروں کے جن کی حرمت قرآن میں بیان کر دی گئی ہے۔ مثلاً مردار جانور یا خنزیر وغیرہ۔ دوسرا استثناء: غیر محلی حرمت سے فرمایا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چوپائے جانور تمہارے لئے حلال ہیں، اور جنگل کا شکار بھی حلال ہے۔ مگر جبکہ تم نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو، تو اس وقت شکار کرنا جرم وگناہ ہے اس سے بچو۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا۔ ان اللہ یحکم ما یرید۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے کسی کو حق نہیں کہ اس کے ماننے میں چون و چرا کرے۔ اس میں شاید اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کیلئے بعض جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت کوئی ظلم نہیں۔ جس مالک نے یہ سب جانیں بنائی ہیں۔ اسی نے پوری حکمت وبصیرت کے ساتھ یہ قانون بھی بنایا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لئے غذا بنایا ہے۔ زمین کی مٹی درختوں کی غذا ہے اور درخت جانوروں کی غذا۔ اور جانور انسان کی غذا۔ انسان سے اعلیٰ کوئی مخلوق اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس لئے انسان کسی کی غذا نہیں بن سکتا۔

• • •

از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ

مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ

اسلام میں صحابۂ کرامؓ کا درجہ اور مقام جو اوپر قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت اور اکابر علماء کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے اس کے بعد ایک قدرتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابۂ کرام سب کے سب واجب التعظیم اور عدل وثقہ ومتقی وپرہیزگار ہیں تو اگر ان کے آپس میں کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آجائے تو ہمارے لیے طریق کار کیا ہونا چاہیے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دو متضاد اقوال میں دونوں کو صحیح سمجھ کر دونوں ہی کو معمول نہیں بنایا جا سکتا۔ عمل کرنے کے لیے کسی ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو چھوڑنا لازم ہے تو اس ترک واختیار کا معیار کیا ہونا چاہیے۔ نیز اس میں دونوں طرف کے بزرگوں کا ادب واحترام اور تعظیم کیسے قائم رہے گی؛ جب کہ ایک کے قول کو مرجوح قرار دے کر چھوڑا جائے گا۔

خصوصاً یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف باہمی جنگ وخونریزی تک پہنچ گیا۔ ان میں ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے، دوسرا خطا پر، اس خطا وصواب کے معاملے کو طے کرنا عمل وعقیدہ کے لیے ضروری ہے؛ مگر اس صورت میں دونوں فریق کی یکساں تعظیم واحترام کیسے قائم رکھا جا سکتا ہے؟ جس کو خطا پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازمی امر ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطا یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے۔ اسلاف اُمت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لیے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا

لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو۔ خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطا پر؛ البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہوگئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

باجماع امت ان حضرات صحابہؓ کے اس اختلاف کو بھی اسی طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔

اس طرح ایک طرف خطا وصواب کو بھی واضح کر دیا گیا، دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا اور مشاجرات صحابہؓ میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلاوجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہوں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال ذیل:

تفسیر قرطبی سورۂ حجرات میں آیت وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا کے تحت مشاجرات صحابہ پر سلف صالحین کے اقوال کے ساتھ بہترین تحقیق فرمائی ہے جو انہی کی طویل عبارت میں لکھی جاتی ہے۔

ترجمہ:

”یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے؛ اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کفِ لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں؛ کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انھیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے، اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا:

”ان طلحۃ شھید یمشی علی وجہ الأرض“

”یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں“

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لیے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہوکر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح اگر حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا؛ کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربّانی میں قتل ہوا ہو، لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اسی بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف ومشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”زبیرؓ کا قاتل جہنم میں ہے“

نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو“ جب یہ بات ہے تو ثابت ہوگیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور ﷺ حضرت طلحہؓ کو ”شہید“ نہ فرماتے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے، جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انھیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا۔ جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا، ان سے براءت کا اظہار کرنا اور انھیں فاسق قرار دینا، اُن کے فضائل ومجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کردینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابۂ کرامؓ کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا، تو انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ

تِلْکَ أُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُم مَّا کَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْأَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعْمَلُونَ۔

ترجمہ: ”یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، اس کے اعمال اس کے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے

ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا"۔ کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:

’’یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو اس میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا۔‘‘ مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ:

’’جہاں تک اس خونریزی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے؛ کیونکہ اس میں خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ’’یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے، ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہے، ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔‘‘

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی، ہم جانتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا، ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے، لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں اور جس میں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں، ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ کی خوشنودی چاہی تھی، اس لیے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔‘‘ (تفسیر القرطبی ص ۳۲۲، ج ۱۶)

ایک طویل عبارت میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے عقیدے کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے۔ عبارت کے شروع میں انھوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی شہادت سے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ان سے اس مسئلہ پر بطور خاص روشنی پڑتی ہے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں حضرات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ میں سے ہیں اور ان دس خوش نصیب حضرات میں آپ کا بھی نام ہے جن کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے اور جنھیں عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے، ان دونوں حضرات نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے

لیے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں ان دونوں حضرات کو شہید قرار دیا۔ دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علیؓ کے سرگرم ساتھیوں میں سے تھے اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے مخالفین کا مقابلہ کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی، غور کیا جائے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا؛ بلکہ ہر ایک فریق اللہ کی رضا کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لیے بیک وقت شہادت کی پیشین گوئی نہ فرمائی جاتی، ان ارشادات نے یہ واضح کر دیا کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ بھی اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑ رہے تھے؛ اس لیے وہ بھی شہید ہیں اور حضرت عمارؓ کا مقصد بھی رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا؛ اس لیے وہ بھی لائق مدح وستائش ہیں۔ دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں؛ بلکہ اجتہاد ورائے کی بنا پر تھا اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح ومطعون نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں اس بحث پر تفصیلی کلام فرمایا ہے ان کے چند جملے یہ ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”اہل سنت ان روافض کے طریقہ سے براءت کرتے ہیں جو صحابہؓ سے بغض رکھتے ہیں اور انھیں برا کہتے ہیں، اسی طرح ان ناصبوں کے طریقے سے بھی براءت کرتے ہیں جو اہل بیت کو اپنی باتوں سے نہ کہ عمل سے تکلیف پہنچاتے ہیں اور صحابہؓ کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں اہل سنت سکوت اختیار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی برائی میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے بعض تو بالکل جھوٹ ہیں، بعض ایسی ہیں کہ ان میں کمی بیشی کر دی گئی ہے اور ان کا صحیح مفہوم بدل دیا گیا ہے اور اس قسم کی جو روایتیں بالکل صحیح ہوں، ان میں بھی صحابہؓ معذور ہیں، ان میں سے بعض حضرات اجتہاد سے کام لے کر حق وصواب تک پہنچ گئے اور بعض نے اجتہاد سے کام لیا اور اس میں غلطی ہوگئی اس کے ساتھ ہی اہل سنت کا یہ اعتقاد بھی نہیں ہے کہ صحابہؓ کا ہر فرد تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے؛ بلکہ ان سے فی الجملہ گناہوں کا صدور ممکن ہے؛ لیکن ان کے فضائل وسوابق اتنے ہیں کہ اگر کوئی گناہ ان سے صادر بھی ہو تو یہ فضائل ان کی مغفرت کے موجب ہیں؛ یہاں تک کہ ان کی مغفرت کے مواقع اتنے ہیں کہ ان کے

بعد کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے"۔

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحیح روایت سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(۱۹) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے۔ ایک یہ کہ وہ غزوۂ احد میں میدان سے بھاگنے والوں میں تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے۔ تیسرے یہ کہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہ تھے۔

حضرت عبداللہ نے ان تینوں الزاموں کا جواب یہ دیا کہ بیشک غزوۂ احد میں فرار کا صدور ان سے ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی معافی کا اعلان کر دیا۔ مگر تم نے پھر بھی معاف نہ کیا کہ اس کا ان پر عیب لگاتے ہو۔ رہا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونا تو وہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا اور اسی لیے آپ نے عثمان غنیؓ کو غانمین بدر میں شمار کر کے ان کا حصہ لگایا اور بیعت رضوان کے وقت وہ حضور ﷺ ہی کے بھیجے ہوئے مکہ مکرمہ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بیعت میں شریک کرنے کے لیے خود اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دست مبارک سے بیعت فرمائی اور ظاہر ہے کہ خود عثمان غنی حاضر ہوتے اور ان کا ہاتھ اس جگہ ہوتا تو بھی وہ فضیلت حاصل نہ ہوتی کیونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اس سے ہزاروں درجہ بہتر ہے۔"

اس واقعہ میں غور کرو کہ تین الزاموں میں سے ایک الزام کو صحیح مان کر یہ جواب دیا کہ اب وہ ان کے لیے کوئی عیب نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ باقی دو الزاموں کا غلط بے اصل ہونا بیان فرما دیا۔ اس کو نقل کر کے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہی حال تمام صحابہ کا ہے ان کی طرف جو کوئی گناہ منسوب کیا جاتا ہے یا تو وہ گناہ ہی نہیں ہوتا بلکہ حسنہ اور نیکی ہوتی ہے اور یا پھر وہ اللہ کا معاف کیا ہوا گناہ ہوتا ہے (شرح عقیدہ واسطیہ ص ۴۶۰-۴۶۱)

اسی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے میں جو توقف سے کام لیا وہ یا تو اس بنا پر تھا کہ یقینی طور سے قاتل معلوم نہ ہو سکا یا اس لیے کہ فتنہ فساد میں اضافہ کا اندیشہ تھا اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے متبعین نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کو جو جائز سمجھا اس میں ان میں سے بعض حضرات مجتہد تھے اور بعض ان کی تقلید کرنے والے۔

اور اس بات پر اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں میں حق بلاشبہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور وہ عقیدۂ

برحق جس پر کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی، یہ ہے کہ یہ تمام حضرات صحابہؓ عادل ہیں اس لیے کہ ان تمام جنگوں میں انھوں نے تاویل اور اجتہاد سے کام لیا اس لیے کہ اہل حق کے نزدیک اگرچہ حق ایک ہی ہوتا ہے لیکن حق تک پہنچنے کے لیے پوری کوشش صرف کرنے اور اس میں کوتاہی نہ کرنے کے بعد کسی سے غلطی بھی ہو جائے تو وہ ماجور ہی ہوتا ہے، گناہ گار نہیں۔

اور درحقیقت ان جنگوں کا سبب معاملات کا اشتباہ تھا، یہ اشتباہ اتنا شدید تھا کہ صحابہؓ کی اجتہادی آراء مختلف ہوگئیں اور وہ تین قسموں میں بٹ گئے، صحابہؓ کی ایک جماعت تو وہ تھی جس کے اجتہاد نے اسے اس نتیجہ تک پہنچایا کہ حق فلاں فریق کے ساتھ ہے اور اس کا مخالف باغی ہے، لہٰذا اس پر اپنے اجتہاد کے مطابق برحق فریق کی مدد کرنا اور باغی فریق سے لڑنا واجب ہے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا حال یہ ہو اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں تھا کہ وہ امام عادل و برحق کی مدد اور باغیوں سے جنگ کے فریضے میں کوتاہی کرے۔ دوسری قسم اس کے برعکس ہے اور اس پر بھی تمام وہی باتیں صادق آتی ہیں جو پہلی قسم کے لیے بیان کی گئی ہیں، صحابہؓ کی ایک تیسری جماعت وہ تھی جس کے لیے کچھ فیصلہ کرنا مشکل تھا اور اس پر یہ واضح نہ ہوسکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے یہ جماعت فریقین سے کنارہ کش رہی اور ان حضرات کے حق میں یہ کنارہ کشی ہی واجب تھی اس لیے کہ جب تک کوئی شرعی وجہ واضح نہ ہو، کسی مسلمان کے خلاف قتال کا اقدام حلال نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہؓ معذور اور ماجور ہیں، گناہ گار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل حق کے تمام قابل ذکر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان کی شہادتیں بھی قبول ہیں اور ان کی روایات بھی اور ان سب کے لیے عدالت ثابت ہے۔ اسی لیے ہمارے ملک کے علماء نے اور ان کے علاوہ تمام اہل سنت نے جن میں ابن حمدانؒ (نہایۃ المبتدئین) بھی داخل ہیں، فرمایا ہے کہ

یہ مختصر مجموعہ ہے سلف وخلف، متقدمین ومتاخرین علماء امت کے عقائد واقوال کا جن میں تمام صحابہ کرام کے عدل وثقہ ہونے پر بھی اجماع واتفاق ہے اور اس پر بھی کہ ان کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے یا سکوت اختیار کریں، یا پھر ان کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کریں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔

• • •

تحریر: مفتی محمد وقاص رفیع

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

ماہِ صفر اور توہُّم پرستی

اسلام کے مضبوط عقائد اور پاکیزہ تعلیمات میں عقل اور محبت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان میں سے اگر کسی ایک چیز کو بھی نکال دیا جائے تو اس کی ساری خوبی اور اس کا سارا حسن ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ عقائد و عبادات کا نظام اگر عقل سے آزاد ہو جائے تو ''توہُّم پرستی'' والا مذہب وجود میں آنے لگتا ہے اور عقل کو اگر آسمانی وحی پر مبنی عقائد و عبادات سے خالی کر دیا جائے تو ایسی ''مادیت پرستی'' جنم لیتی ہے جو روحانیت کے حسن اور لطف سے بالکل نابلد ہوتی ہے اور نتیجہ دونوں صورتوں میں گمراہی اور محرومی ہی نکلتا ہے۔ کہیں جسم کے جائز تقاضوں سے محرومی رہتی ہے تو کہیں روح کے حقیقی مطالبات سے محرومی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے اکثر و بیشتر لوگ علم و فضل سے ناواقف، دور بینی اور شائستگی سے دور اور تہذیب و تمدن سے یکسر عاری اور تہی دامن تھے۔ جہالت و ضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے انہیں توہُّم پرست بنا دیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی صحیح ہستی کا اقرار، جزاء و سزاء کا تصور اور نیک و بد اعمال پر اچھے اور برے نتیجے کا مرتب ہونا ان کے نزدیک تمسخر اور استہزاء کی باتیں بن کر رہ گئی تھیں۔ جہالت پرستی اور توہُّم پرستی نے ان کے عقائد و اعمال کو ایسا بگاڑ دیا تھا کہ عقل بھی اس پر خندہ زن تھی۔

شرک و بدعت اور کفر و ضلالت کے ان گھٹاٹوپ اندھیروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ سے ان کی جہالت کے اندھیروں کو ختم فرمایا۔ ''توہُّم پرستی'' کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حقیقت شناسی کی تعلیم دی، شرک کی جگہ

توحید اور بت پرستی کی جگہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی نورانی تعلیمات عنایت فرمائیں اور عقائد و اعمال میں ان کے لئے ایسا واضح اور صاف راستہ متعین فرمایا جو ان کو جہنم کے اندھرے اور تاریکی سے نکال کر جنت کی روشنی کی طرف لے جائے۔

لیکن آج کل مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی کمی اور یورپ و مغرب کی نت نئی تہذیب و ثقافت اور اس کا کلچر قبول کرنے کی وجہ سے ہمارے عام مسلمانوں میں کچھ ایسے خیالات نے جنم لے رکھا ہے کہ جن کا دین و شریعت اور مذہب اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اسی جہالت کے نتیجے میں آج بھی زمانۂ جاہلیت قبل از اسلام کے ساتھ ملتی جلتی مختلف توہُّم پرستیاں ''ماہِ صفر'' کے بارے میں بھی پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں اور خاص طور پر خواتین نے تو اس مہینے کا نام ہی ''تیرہ تیزی'' رکھ دیا ہے اور اس مہینے کو اپنے گمان میں ''تیزی'' کا مہینہ سمجھ لیا ہے۔ اس کی حتمی اور قطعی وجہ تو معلوم نہیں ہوسکی کہ اس مہینے کو ''تیرہ تیزی'' کا مہینہ کیوں کہا جاتا ہے؟ ممکن ہے کہ اس مہینہ کو ''تیرہ تیزی'' کا نام اس لئے دے دیا گیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات جو اس مہینے میں شروع ہوا تھا وہ مشہور روایات کے مطابق تیرہ (۱۳) دن تک مسلسل جاری رہا تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوگیا تھا۔ اس سے جہلاء نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تیرہ (۱۳) دنوں میں مرض کی شدت اور تیزی کی وجہ سے یہ مہینہ سب کے حق میں شدید، بھاری اور تیز ہوگیا ہے۔ اگر واقعتاً یہی بات ہے تو یہ سراسر ''جہالت'' اور ''توہُّم پرستی'' کا شاخسانہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مہینے کے ابتدائی تیرہ (۱۳) روز خاص طور پر بہت زیادہ سخت اور تیز یا بھاری ہوتے ہیں، اسی وجہ سے یہ لوگ صفر کے مہینہ کی پہلی تاریخ سے لے کر تیرہ (۱۳) تاریخ تک کے دنوں کو خاص طور پر منحوس سمجھتے ہیں اور بعض جگہ اس مہینے کی تیرہ (۱۳) تاریخ کو چنے اُبال کر یا چوری بنا کر تقسیم کرتے ہیں تاکہ بلائیں ٹل جائیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں کے ابتدائی تیرہ (۱۳) دنوں سے متعلق اس غلط خیال کی وجہ سے ہی اس مہینہ کو ''تیرہ تیزی'' کا مہینہ کہا جاتا ہو اور یہ بھی شریعت پر زیادتی ہے

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ماہِ صفر'' میں بیماری، نحوست اور بھوت پریت وغیرہ کا کوئی نزول نہیں ہوتا۔'' (مسلم)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”(اسلام میں نہ امراض کا) تعدیہ ہے، نہ ہامہ اور نہ صفر (کے مہینے کی نحوست) ہے۔“ اس پر ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اونٹوں کی ایک جماعت کا کیا معاملہ ہے جو ریت میں اس حال میں ہوتے ہیں کہ گویا وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح بیماری سے صاف ستھرے ہیں) پھر ان کے ساتھ کوئی خارش زدہ اونٹ آملتا ہے جو اِن سب کو خارش زدہ کردیتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”(اچھا یہ بتاؤ کہ) پہلے اونٹ کو کس کے ذریعے سے خارش لگی؟“ (یہ سن کر وہ دیہاتی لاجواب ہوگیا۔) (بخاری، مسلم و ابوداؤد)

اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ ”ماہِ صفر“ میں بیماری، بدشگونی، شیطانی گرفت اور نحوست کے اثرات کوئی چیز نہیں ہیں۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ بیماری، شیطانی گرفت، ستاروں کی گردش اور نحوست کا ”ماہِ صفر“ سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ”بھوت پریت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔“ (مسلم)

ابن عطیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ: ”بیماری، شیطانی گرفت اور نحوست دوسروں پر اثر انداز نہیں ہوتی اور یاد رہے کہ بیمار اونٹ دوسرے اونٹوں میں نہ جانے پائے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بیمار اونٹ دوسرے اونٹوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہے۔“ (مؤطا امام مالک)

دراصل زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ متعدی مرض اور چھوت کی بیماری ہر حال میں دوسرے کو لگتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی وہ بذات خود بیماری کے دوسرے کی طرف متعدی ہونے کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے اور بعض بیماریوں میں طبعی طور پر لازمی خاصیت کے قائل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باطل عقیدے کی اصلاح فرمائی۔ (فیض القدیر)

آج کل بھی بعض لوگ مختلف بیماریوں مثلاً کوڑھ، خارش، چیچک، خسرہ، گندہ دہنی (پائیوریا) اور آشوب چشم وغیرہ کو اسی طرح (خود بخود بغیر حکم الٰہی کے لازمی طور پر) متعدی سمجھتے ہیں جو کہ باطل اور غلط عقیدہ ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ موت و زندگی، بیماری و تندرستی اور مصیبت و راحت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر ایک بیماری دس (۱۰) آدمیوں کو لگتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے لگتی ہے، بیماری میں ہرگز یہ طاقت نہیں کہ وہ بغیر حکم الٰہی کے کسی دوسرے کو لگ جائے۔ چنانچہ تجربہ و مشاہدہ بتلاتا ہے کہ وبائی امراض میں سبھی مبتلا نہیں ہوتے، بلکہ بہت سے لوگ وبائی بیماروں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان سے محفوظ رہتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ کوئی بھی بیماری از خود کسی کو نہیں لگتی بلکہ جس وقت اور جب جس کو حق تعالیٰ شانہ چاہتے ہیں بیمار کر دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اسے بیمار نہیں کرتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے بعض بیماریوں کے ایسے جراثیم پیدا فرمائے ہیں کہ وہ جس کو پہنچتے ہیں اس میں وہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ متعدی امراض کہلاتے ہیں، جب کہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ جراثیم از خود دوسرے کی طرف متعدی و منتقل نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارادے سے متعدی و منتقل ہوتے ہیں تو اس صورت میں ان سے احتیاط کرنے اور بچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض احادیث میں اسی نقطہ نظر کے پیش نظر بعض بیماریوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بیماری کا تعدیہ اور ہامہ اور صفر کوئی چیز نہیں ہیں اور آپ مجذوم اور کوڑھ (Leprous) کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔“ (بخاری)

خلاصہ یہ کہ احتیاطی تدابیر اور اسباب کے درجے میں مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے ہوئے وبائی امراض سے حفاظت اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے میں قطعاً کوئی حرج اور کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

● ● ●

خوشخبری
ماہ نامہ دارالتقویٰ کا ایک اور کامیاب قدم
الحمد للہ
مولانا جمشید (رحمۃ اللہ علیہ) نمبر کی شاندار کامیابی کے بعد
عصر حاضر کے مجدد تبلیغ حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب رحمہ اللہ پر اشاعتِ خاص
حاجی صاحبؒ نمبر
آج ہی اپنی کاپی بک کروائیں
عنقریب چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے ان شاء اللہ
شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دارالتقویٰ لاہور برائے رابطہ 8142341 -0304

مولانا محمد مبشر بدر

حجاب! خواتین کا محافظ

اللہ تعالیٰ نے عورت کو شرم و حیا کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ بلکہ یہ چیزیں اس کی فطرت اور جبلت میں شامل کر دی گئیں ہیں۔ چنانچہ وہ فطری طور پر حیادار اور عفت پسند ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایک خوبصورت نگینے کی سی ہے جس کی طرف آنکھیں متوجہ ہوتیں اور ہاتھ چھونے کے لیے بڑھتے ہیں۔ اگر اسے چھپا کر نہ رکھا جائے تو چوروں کی نظریں اس کے تعاقب میں رہتی ہیں تاکہ موقع پا کر اس کی نزاکت پر حملہ کر دیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے پردہ کرنے کا حکم دیا، دورِ جاہلیت کی طرح گھروں سے باہر نکلنے سے منع کیا اور اجنبی مردوں سے کھردرے لہجے میں بات کرنے کا امر دیا ہے تاکہ کسی بد باطن شخص کی طبیعت میں نرم گفتگو کی وجہ سے فتور واقع نہ ہو جائے۔ پاکیزہ معاشرہ اور صاف ستھری سوسائٹی کے لیے عورتوں کو گھروں میں رکھ کر گھریلو ذمہ داریاں ان کو دی گئیں اور مردوں کو باہر کی ذمہ داریوں کا پابند کر کے مردوں اور عورتوں کو باہمی اختلاط سے روکا گیا تاکہ ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے اور مسلم معاشرے کی یہ خصوصیت اب تک باقی تھی اور تقریباً پچاس سال سے غیروں کی حیاسوزی کی تحریک؛ بلکہ یلغار سے ہمارا معاشرہ بری طرح متاثر ہوا ہے اور افسوس اور حد درجہ ماتم کی چیز یہ ہے کہ اس کا مقابلہ اور فحاشی کا خاتمہ کرنے اور اس پر روک لگانے کے بجائے بعض مسلم دانشوران اس کوشش میں ہیں کہ بے حجابی کو جواز کا درجہ دے دیا جائے بلکہ بعض نے تو چہرہ کے حجاب کو غیر ضروری قرار دے دیا ہے اور اس بات کا دعویٰ ہی نہیں، بلکہ دعوت دینی شروع کر دی ہے کہ چہرہ، ہتھیلیوں اور پیروں کو کھلا رکھا جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں''

(سورۃ الاحزاب، آیت 59)

اسلام نے یہ بتایا کہ عورت کا اصلی مقام اس کا گھر ہے: اپنے گھروں میں رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے کو دکھاتی نہ پھرو۔

(سورۃ الاحزاب:33)

اس سے ظاہر ہے کہ نمائش کے لئے بن سنور کر نکلنا درست نہیں البتہ کسی ضرورت کے لئے باہر نکلنا شرعاً جائز ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے: ترجمہ: تم کو اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلنے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔

(صحیح بخاری شریف، کتاب النکاح، باب خروج النساء لحوائجہن، حدیث نمبر:4836)

لیکن اس کے لئے اصول وقوانین دیے گئے ہیں کہ وہ کس طرح پردہ کا اہتمام کریں کیونکہ پردہ ان کی عفت وعصمت کا محافظ ہے اور عفت وعصمت عورت کا جوہر ہے، جس عورت کا یہ جوہر داغ دار ہو جاتا ہے وہ اخلاق کی بلندی سے اتر کر قعر مذلت میں جا پڑتی ہے اس لئے پردے کا حکم دیا گیا۔

حجاب کے درجات:

اسلام نے عورت کے اصولی طور پر گھر میں رہنے اور بوقت ضرورت باہر نکلنے ہر دو صورتوں میں پردے کے معتدل ومتوازن حدود وقیود مقرر کئے ہیں۔

پہلا درجہ:

حجاب کے سلسلہ میں پہلا درجہ حجاب اشخاص کا ہے کہ عورتوں کا شخصی وجود اور ان کی نقل وحرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، وہ اپنے گھروں میں رہیں اور ان کے لباس وپوشاک پر بھی اجنبی مردوں کی نظر نہ پڑے، یہ اعلیٰ درجہ کا پردہ ہے چنانچہ اس سلسلہ میں باری تعالی کا ارشاد ہے۔: "اپنے گھروں میں رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے کو دکھاتی نہ پھرو"۔ (سورۃ الاحزاب:33)

اور ارشاد خداوندی ہے: "اور جب عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو"۔

(سورۃ الاحزاب:53)

جامع ترمذی، سنن ابوداؤداور مسند امام احمد میں حدیث پاک ہے:

’’سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں، اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے ارشاد فرمایا: ان سے پردہ کرو! حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو نابینا ہیں، ہم کو تو وہ دیکھ نہیں سکتے، آپ نے جواب میں فرمایا: کیا تم بھی نابینا ہو؟ اور فرمایا: تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔‘‘

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، مسند امام احمد)

دوسرا درجہ:

ضرورت کے وقت عورت کو جب باہر نکلنا پڑے تو حکم دیا گیا کہ وہ کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلے، اس طرح کہ بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو اور وہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو، بجنے والا کوئی زیور نہ پہنے، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی ازواج مطہرات و بنات طیبات اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنے اوپر ایک بڑی چادر اوڑھ لیں، اس سے بآسانی ان کا شریف زادی ہونا معلوم ہوجائے گا، انہیں ستایا نہیں جائے گا۔ (سورۃ الاحزاب:59)

تیسرا درجہ:

گھر کے اندر رشتہ داروں، عزیزوں، ملازمین کے آنے جانے اور انفرادی واجتماعی طور پر کھانے پینے سے منع نہیں کیا گیا اس سلسلہ میں اصولی ہدایات دی گئیں: آپ حکم فرمادیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا اس سے خود بخود نمایاں ہو اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر، نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کیلیے یا اپنے باپ کے لئے یا شوہر کے باپ کے لئے یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا اپنے بھانجوں کے لئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں

پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو عورت کے خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو عورتوں کی پوشیدہ چیزوں سے واقف نہ ہوں اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں زمین پر کہ معلوم ہوجائے وہ بناؤ سنگار جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف تم سب اے ایمان والو تا کہ تم بامراد ہوجاؤ (سورۃ النور:31)

جہاں تک مرد اور عورت کے تعلق کا مسئلہ ہے تو اس میں بعض ایسے رشتے آتے ہیں جو فطرۃً عورت کی عصمت وعفت کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں یہ وہ رشتے ہیں جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہے، ان کو محارم کہتے ہیں جیسے باپ، دادا، نانا، بھائی چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجہ، پوتا، نواسہ، خسر، وغیرہ اور بہت سے وہ رشتے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز ودرست ہے ان کو غیر محرم کہا جاتا ہے جیسے چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، دیور جیٹھ وغیرہ۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ تمام رشتے آپس میں برابر نہیں ہوسکتے، بعض تو وہ ہیں جن کی طرف نظریں اٹھتی ہی نہیں اور وہ خود اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں، اور بعض تو وہ ہیں جن کی طرف نظریں اٹھ سکتی ہیں اس لئے اسلام نے پردہ کے احکام میں بھی فرق کردیا ہے، اس لحاظ سے اس کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

عورت کے پردہ سے متعلق احکام قرآن مجید کی سات آیات میں بیان کئے گئے ہیں! سورۂ نور کی تین آیات اور سورۂ احزاب کی چار آیات پردے کے بارے میں تقریبا ستر (70) احادیث شریفہ میں احکام بتلائے گئے ہیں۔ شوہر سے پردے کا تو کوئی مسئلہ نہیں وہ اپنی بیوی کے سر سے لے کر قدم تک کے ہر حصۂ بدن کو دیکھ سکتا ہے تاہم آداب میں یہ بات داخل ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھیں۔ البتہ باپ دادا اور دیگر محارم سے پردے کے سلسلہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ عورت ناف سے لیکر گھٹنے تک، پیٹ پیٹھ اور ران کو مستور رکھے۔

محارم میں سے کسی کو بھی ان اعضاء کے دیکھنے کی اجازت نہیں، ان کے علاوہ دیگر اعضاء جیسے چہرہ، سر، پنڈلی اور بازو وغیرہ تو اس کو دیکھنے میں شرعا کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

* * *

از: مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

سابق مدیر ماہنامہ بینات کراچی

نصرت الٰہی سے محرومی کے اسباب!

دراصل یہاں دو امور ہیں، ایک یہ کہ تمام مسلمان عموماً اللہ تعالیٰ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ دوسرے یہ کہ خاص طور پر وہ نیک صالح مسلمان، جو واقعی اللہ تعالیٰ کے دین کے محافظ ہیں، ان پر مصائب و بلایا کے پہاڑ کیوں توڑے جا رہے ہیں؟ ان کے حق میں اللہ کی مدد آنے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ اور ان کے دشمنوں کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے؟

اول: سب سے پہلے یہ کہ تمام مسلمان اللہ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے:

1:- اس وقت مسلمان من حیث القوم مجموعی اعتبار سے تقریباً بدعملی کا شکار ہو چکے ہیں۔

2:- اس وقت مسلمانوں میں ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت کا فقدان ہے، بلکہ مسلمان بھی ... الا ماشاءاللہ ... کفار و مشرکین کی طرح موت سے ڈرنے لگے ہیں۔

3:- اس وقت تقریباً مسلمانوں کو دین، مذہب، ایمان، عقیدہ سے زیادہ اپنی، اپنی اولاد اور اپنے خاندان کی دنیاوی راحت و آرام کی فکر ہے۔

4:- آج کل مسلمان ... الا ماشاءاللہ ... موت، مابعد الموت، قبر، حشر، آخرت، جہنم اور جنت کی فکر و احساس سے بے نیاز ہو چکے ہیں اور انہوں نے کافر اقوام کی طرح اپنی کامیابی و ناکامی کا مدار دنیا اور دنیاوی اسباب و ذرائع کو بنالیا ہے، اس لئے تقریباً سب ہی اس کے حصول و تحصیل کے لئے دیوانہ وار دوڑ

رہے ہیں۔

5:- اس وقت ... الا ماشاء اللہ ... مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد، بھروسہ اور توکل نہیں رہا، اس لئے وہ دنیا اور دنیاوی اسباب و وسائل کو سب کچھ باور کرنے لگے ہیں۔

6:- جب سے مسلمانوں کا اللہ کی ذات سے رشتہ عبدیت کمزور ہوا ہے، انہوں نے عبادات و اعمال کے علاوہ قریب قریب سب ہی کچھ چھوڑ دیا ہے، حتی کہ بارگاہ الٰہی میں رونا، بلبلانا اور دعائیں مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

7:- جس طرح کفر و شرک کے معاشرہ اور بے خدا قوموں میں بدکرداری، بدکاری، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، حرام کاری، حرام خوری، جبر، تشدد، ظلم و ستم کا دور دورہ ہے، ٹھیک اسی طرح نام نہاد مسلمان بھی ان برائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق ہیں۔

8:- معدودے چند، اللہ کے جو بندے، اس غلاظت کدہ میں نور کی کرن اور امید کی روشنی ثابت ہوسکتے تھے، ان پر اللہ کی زمین تنگ کردی گئی، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جو مسلمان قرآن و سنت، دین و مذہب کی پاسداری اور اسوۂ نبوت کی راہ نمائی میں زندگی گزارنا چاہتے تھے، انہیں تشدد پسند، دہشت گرد، رجعت پسند اور ملک و ملت کے دشمن وغیرہ کہہ کر ٹھکانے لگا دیا گیا۔

9:- نام نہاد مسلمانوں نے کافر اقوام کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر اور ان کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے کر دین و مذہب سے وابستگی رکھنے والے مخلصین کے خلاف ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا اور ان کو اس قدر مطعون و بدنام کیا کہ کوئی سیدھا سادا مسلمان، اسلام اور اسلامی شعائر کو اپناتے ہوئے بھی گھبراتا ہے۔

10:- اسلام دشمن میڈیا، اخبارات، رسائل و جرائد میں اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر خطرناک، نقصان دہ، ملک و ملت دشمن اور امن مخالف باور کرایا گیا کہ اب خود مسلمان معاشرہ ان کو اپنانے اور گلے لگانے پر آمادہ نہیں۔

11:- مادیت پسندی نے نام نہاد مسلمان کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ اب اس کو حلال و حرام کی تمیز تک نہیں رہی، چنانچہ ... الا ماشاء اللہ ... اب کوئی مسلمان حلال و حرام کی تمیز کرتا ہو، اس لئے مسلم معاشرہ میں بھی، سود، جوا، رشوت، لاٹری، انعامی اسکیموں کا دور دورہ ہے۔

12:- جو لوگ سود خوری کے مرتکب ہوں، اللہ تعالیٰ کا ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ظاہر ہے جو

مسلمان سودخور ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے حالت جنگ میں ہیں، اور جن لوگوں سے اعلانِ جنگ ہو، کیا ان کی مدد کی جائے گی؟

13:- جو معاشرہ عموماً چوری ڈکیتی، مار دھاڑ، اغوا برائے تاوان، جوئے، لاٹری، انعامی اسکیموں اور رشوت پر پل رہا ہو، اور جہاں ظلم وتشدد عروج پر ہو، جہاں کسی غریب کی عزت و ناموس اور مال و دولت محفوظ نہ ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا اللہ کا غضب؟ پھر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس لئے کہ اللہ کی مدد مظلوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور ظالم چاہے مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اللہ کی مدد سے محروم ہوتا ہے۔

14:- جس قوم اور معاشرہ کی غذا، لباس، گوشت اور پوست حرام مال کی پیداوار ہوں، ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاک، پاکیزہ ہیں اور پاک، پاکیزہ ہی قبول فرماتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا، پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اعمال صالحہ کرو" اسی طرح مومنوں سے فرمایا: "اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کی وجہ سے غبار آلود اور پراگندہ بال ہے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے رب! اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا اور اس کی غذا حرام کی ہے، تو اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟" رواہ مسلم۔" (مشکوٰۃ، ص:241)

15:- بایں ہمہ وہ مقبولانِ الٰہی، جو مخلوق خدا کی اس مجبوری اور مقہوری پر کڑھتے ہیں، روتے ہیں، بلبلاتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعائیں کرنا چاہتے ہیں، ان کو بارگاہ الٰہی سے یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ اپنی ذات کے لئے اور اپنی ضرورت کے لئے دعا کرو، میں قبول کروں گا لیکن عام لوگوں کے حق میں تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"عن انس بن مالک رضي الله تعالى عنه اراه مرفوعاً قال: يأتي على الناس زمان يدعو المومن للجماعة فلا يستجاب له، يقول الله: ادعني لنفسک ولما

یحزبک من خاصة امرک فاجیبک، واما الجماعة فلا! انهم اغضبونی. وفی روایة: فانی علیهم غضبان. "(کتاب الرقائق ص: 155، 384)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ مومن مسلمانوں کی جماعت کے لئے دعا کرے گا، مگر قبول نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تو اپنی ذات کے لئے اور اپنی پیش آمدہ ضروریات کے لئے دعا کر، میں قبول کروں گا، لیکن عام لوگوں کے حق میں قبول نہیں کروں گا، اس لئے کہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں۔"

16:- پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آسمان سے اچھے یا بُرے فیصلے اکثریت کے عمل اور بدعملی کے تناظر میں نازل ہوتے ہیں، اس لئے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم معاشرہ کی اکثریت کے اعمال وافعال اور سیرت وکردار کا کیا حال ہے؟ کیا ایسا معاشرہ جہاں دین، دینی اقدار کا مذاق اڑایا جاتا ہو، جہاں قرآن وسنت کا انکار کیا جاتا ہو، جہاں اس میں تحریف کی جاتی ہو، جہاں ان کو من مانے مطالب، مفاہیم اور معانی پہنائے جاتے ہوں، جہاں حدود اللہ کا انکار کیا جاتا ہو، جہاں سود کو حلال اور شراب کو پاک کہا جاتا ہو، جہاں زنا کاری و بدکاری کو تحفظ ہو، جہاں ظلم وتشدد کا دور دورہ ہو، جہاں مسلمان کہلانا دہشت گردی کی علامت ہو، جہاں بے قصور معصوموں کو کافر اقوام کے حوالہ کیا جاتا ہو، جہاں بدکار و مجرم معزز اور معصوم ذلیل ہوں، جہاں توہین رسالت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا جاتا ہو، جہاں باغیانِ نبوت کو اقتدار کی چھتری مہیا ہو، جہاں محافظین دین وشریعت کو پابند سلاسل کیا جاتا ہو، جہاں کلمہ حق کہنے والوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جاتا ہو، جہاں کافر اقوام کی کاسہ لیسی کی جاتی ہو، جہاں یہود ونصاریٰ کی خوشنودی کے لئے مسلم ممالک پر اسلام دشمنوں کی چڑھائی کو سند جواز مہیا کی جاتی ہو، جہاں دینی مدارس ومساجد پر چڑھائی کی جاتی ہو، ان پر بمباری کی جاتی ہو، ہزاروں معصوموں کو خاک وخون میں تڑپایا جاتا ہو، ان پر فاسفورس بم گرا کر ان کا نام ونشان مٹایا جاتا ہو، جہاں مسلمان طالبات اور پردہ نشین خواتین کو درندگی کا نشانہ بنایا جاتا ہو، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی جاتی ہو، ان کے جسم کے چیتھڑے اڑائے جاتے ہوں، ان کو دفن کرنے کے بجائے ان کی لاشوں کو جلایا جاتا ہو، جہاں تاتاری اور نازی مظالم کی داستانیں دہرائی جاتی ہوں، جہاں دین دار طبقہ اور علماء وصلحاء پر زمین تنگ کی جاتی ہو، جہاں اغیار کی خوشنودی کے لئے اپنے شہریوں کے خلاف

آپریشن کلین اپ کئے جاتے ہوں، جہاں ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نقل مکانی پر مجبور کیا جاتا ہو، جہاں دین وشریعت کا نام لینا جرم اور عریانی فحاشی، پتنگ بازی اور میراتھن ریس کی سرپرستی کی جاتی ہو، جہاں عریانی وفحاشی کو روشن خیالی واعتدال پسندی کا نام دیا جاتا ہو، جہاں دینی مدارس بند اور قحبہ خانے کھولے جاتے ہوں، جہاں عوام نانِ شبینہ کے محتاج ہوں اور اربابِ اقتدار 20/20 لاکھ روپے ایک رات ہوٹل کے قیام کا کرایہ ادا کرتے ہوں، جہاں اپنے اقتدار اور حکومت کے تحفظ کے لئے دین و مذہب اور شرم وحیاء کی تمام حدود کو پھلانگا جاتا ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا اللہ کا عذاب وعقاب؟؟؟

بلاشبہ آج کا دور دجالی فتنے اور نئے نئے نظریات کا دور ہے، زمانہ بوڑھا ہوچکا، ہم جنس پرستی کو قانونی جواز حاصل ہوچکا، ناچ گانے کی محفلیں عام ہوچکیں، دیکھا جائے تو یہ قربِ قیامت کا وقت ہے، اس وقت مسلمانوں سے اللہ کی حفاظت ومدد اٹھ چکی ہے، مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی ناراضگی، ظاہرداری، چاپلوسی، انانیت، خود پسندی اور امت کے زوال کا وقت ہے، فتنہ وفساد عروج پر ہیں، خیر سے محروم لوگوں کی کثرت ہے اور خدا کی لعنت وغضب کا وقت ہے، اور یہود ونصاریٰ کی نقالی کامیابی کی معراج شمار ہونے لگی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں اور معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر وقیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ ایسے ہی دور کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ:

"عن مرداس الاسلمی رضي الله تعالی عنه قال النبی صلی الله علیه وسلم:

یذهب الصالحون الاول فالاول، وتبقیٰ حفالة کحفالة الشعیر اوالتمر لایبالیهم الله بالة." (صحیح بخاری کتاب الرقائق، ص: 952، ج: 2)

ترجمہ: "حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے، جیسے چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔"

17:- اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ: مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اللہ کی مدد آنے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ:

"یاایها الذین آمنوا ان تنصروا الله ینصرکم ویثبت اقدامکم" (محمد: 7)

ترجمہ: "اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے، اور تمہارے قدموں کو

ثابت کریں گے۔"

لہٰذا جب سے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد چھوڑ دی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں سے اپنی رحمت وعنایت اور مدد کا ہاتھ اٹھالیا ہے، چنانچہ آج ہر طرف مسلمانوں پر کافر اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جس طرح دسترخوان پر چنے ہوئے کھانے پر لوگ ٹوٹتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

> **"عن ثوبان رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم: یوشک الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعیٰ الآکلة الیٰ قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن یومئذٍ؟ قال: بل انتم یومئذٍ کثیر! ولکنکم غثاء کغثاء السیل، ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المهابة منکم، ولیقذفن اللّٰہ فی قلوبکم الوهن! فقال قائل: یارسول اللّٰہ! وما الوهن؟ قال: حب الدنیا وکراهیة الموت!" (ابوداؤد ص:59)**

ترجمہ: "حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے، جب تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے... مل کر سازشیں کریں گی... اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے والے... لذیذ... کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

بتلایا جائے جس معاشرہ کا یہ حال ہو، اور جن مسلمانوں کے اعمال واخلاق کا یہ منظر نامہ ہو، وہاں اللہ کی مدد آئے گی یا اللہ کا عذاب؟ (جاری ہے)

• • •

مفتی فیصل احمد

استاد جامعۃ الرشید کراچی

نفع کی شرح کیا ہو؟

☆......شریعت نے نفع کی متعین شرح مقرر کرنے کے بجائے اسے مارکیٹ کے حالات اور گاہک کی سمجھ پر چھوڑ دیا ہے، اسی کو طلب ورسد کا اصول کہا جاتا ہے

☆......اسلام نے مصنوعی طور پر قیمتوں کو بڑھنے سے روکنے کے لیے حکمت بھری رکاوٹیں کھڑی ہیں ایک سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ اسلام میں جائز منافع کسے کہتے ہیں؟ یا نفع کتنے فیصد تک رکھا جا سکتا ہے؟

اکثر پوچھنے والوں کے خیال میں زیادہ منافع ......جس کا تعین وہ خود بھی نہیں کر سکتے...... بہر حال حرام ہونا چاہیے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع دس سے پندرہ فیصد ہو سکتا ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ کچھ کا خیال ہے سارا سال نفع کی شرح ایک جیسی رہنی چاہیے، زیادہ رکھنا ناجائز ہونا چاہیے۔ اس طرح کے مضطرب خیالات آئے دن سننے کو ملتے ہیں۔ جب وہ جواب میں پہلا جملہ سنتے ہیں کہ اسلام نے نفع کی کوئی متعین حد بندی نہیں کی ہے تو ان کے خام خیالات کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ ہمارا دوسرا جملہ صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ہاں کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یا مصنوعی طلب پیدا کر کے یا رسد میں مصنوعی کمی ظاہر کرتے ہوئے قیمتوں کو بڑھا چڑھا کر وصول کرنا حرام ہے۔ آیئے!

قیمتوں اور منافع کے بارے میں اسلام کے فلسفے کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔

شریعت نے نفع کی متعین شرح مقرر کرنے کے بجائے اسے مارکیٹ کے حالات اور گاہک کی سمجھ پر چھوڑ دیا ہے، اسی کو طلب ورسد کا اصول کہا جاتا ہے

اسلام نے نفع کی مقدار یا قیمتوں کو متعین کرنے سے شعوری طور پر گریز کیا ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہنگائی کی وجہ سے بازار کے نرخ مقرر کرنے کی درخواست فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ہی مالی تنگی اور وسعت پیدا کرتے ہیں اور وہی قیمتوں کا تعین فرماتے ہیں۔“ یہاں یہ اصول واضح ہوا کہ اگر نارمل حالت ہو، مصنوعی طلب پیدا کی جارہی ہو نہ مصنوعی قلت کا اظہار ہو تو قدرتی طور پر جو مارکیٹ میں ریٹ طے ہوگا وہی سب سے عادلانہ نرخ ہوگا۔ یہاں پر یہ زمینی حقیقت بھی ملا لیں کہ کوئی دکاندار زیادہ نرخ لگا تو سکتا ہے لیکن وہ زیادہ نرخ پر بیچ اسی وقت پائے گا جب گاہک بھی اس کے لیے تیار ہو۔ نیز اس طرح کوئی دکاندار ایک دو گاہکوں کو دھوکا تو دے سکتا ہے لیکن مستقل اپنا کاروبار نہیں چلا سکتا، کیونکہ جیسے ہی گاہکوں میں یہ شہرت ہوگی کہ فلاں دکاندار گاہکوں کو بازار سے زیادہ نرخ بتاتا ہے تو وہ اس کے پاس جانے سے کترائیں گے، یوں اس دکاندار کے لیے بازار میں رہنا دشوار ہوجائے گا۔ خلاصہ یہ کہ عام طور پر نفع کی زیادہ شرح رکھ کر دکانداری جاری رکھنا بہت مشکل ہے، لہذا شریعت نے اس مسئلے میں نفع کی متعین شرح مقرر کرنے کے بجائے مارکیٹ کے حالات اور گاہک کی سمجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ اسی کو طلب ورسد کا اصول بھی کہا جاسکتا ہے لیکن جبکہ مکمل مقابلے کی فضا ہو۔

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کون سی صورتیں ہوسکتی ہیں جس میں مکمل مقابلے کی فضا باقی نہیں رہتی۔ شرعی ہدایات پر غور کریں تو خود احادیث نے اس قسم کی بہت سی صورتوں کو واضح کیا ہے، چنانچہ احادیث میں اجارہ داری (Monopoly) کی شدید ممانعت ہے۔ کبھی یہ اجارہ داری ایک کمپنی یا تاجر کی شکل میں ہوتی ہے، مثلا: پورے ملک کی چینی کوئی ایک ادارہ یا خاندان فراہم کر رہا ہے۔ یا پورے ملک کا تیل ایک سرمایہ کار یا نجی کمپنی فراہم کر رہی ہے۔ اب وہ جب چاہیں رسد کا بحران ظاہر کریں اور قیمتیں

بڑھا دیں۔ اسی طرح کبھی دو تین کمپنیاں ہوتی ہیں لیکن آپس میں مفاہمت کر لیتی ہیں کہ ہم فلاں لیول سے قیمت نیچے نہیں لے جائیں گے۔ اب بظاہر تو یہ مقابلہ ہے لیکن حقیقت میں نورا کشتی ہے۔

اسی طرح شریعت نے ذخیرہ اندوزی منع کی ہے جو رسد کی مصنوعی قلت ظاہر کرتی ہے اور اس سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح احادیث میں تلقی بالجلب یا بیع الحاضر للبادی سے منع کیا گیا ہے۔ اول الذکر کا معنی ہے تجارتی قافلوں کے منڈی پہنچنے سے پہلے ہی سامان خرید لیا جائے۔ اور ثانی الذکر کا مفہوم ہے دیہاتی زمیندار کی فصل کو کوئی شہری بروکر اپنے گودام میں ذخیرہ کر کے آہستہ آہستہ فروخت کرے۔ ظاہر ہے یہ ایک معروف تجارتی نظم میں دخل اندازی ہے جس سے کوئی منفی سوچ کا حامل قیمتوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ایسی تمام صورتیں جن میں قیمتیں رسد و طلب کے مصنوعی بحران پیدا کر کے بڑھائی جاتی ہیں، وہ ناجائز ہیں۔ اسی طرح کسی کی مجبوری سے ایسی قیمت پر مال خریدنا یا بیچنا کہ بازار میں ایسی قیمت لگتی ہی نہ ہو تو یہ بھی گاہک کی رضامندی مشکوک ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے قیمتیں متعین نہ کر کے حکمت سے کام لیا ہے، بالکل اسی طرح مصنوعی طور پر قیمتوں کو بڑھنے سے روکنے کے لیے بھی حکمت بھری رکاوٹیں کھڑی کی ہیں۔ اسلام کے قریب آ کر دیکھیے! ایک سمندر آپ کا منتظر ہے۔

• • •

حق اور باطل کی پہچان کا معیار

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ خلیفہ ومجاز قطب الاقطاب حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا: اگر کسی مسئلہ کے حق و باطل ہونے میں شبہ ہو اور معلوم نہ ہو کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر اس وقت یہ دیکھا جائے کہ کس کی طرف اہلِ نظر اور مشائخ ہیں اور کس کی طرف بازاری لوگ اور عوام۔ ارشاد فرمایا کہ جدھر عوام ہیں اگرچہ وہ بظاہر دینی اور روحانی کام معلوم ہو رہا ہے لیکن اس سے بچو اور جدھر اہل اللہ اور مشائخ ہوں اس کی طرف ہو جاؤ اس میں ضرور خیر ہوگی اس لئے کہ مشائخ کا دل ظلمت و تاریکی کی طرف مائل نہیں ہوتا (تفصیل دیکھئے تذکرۃ الخلیل ص 250)

جاوید چوہدری

کالم نگار روزنامہ ایکسپریس

جس نے ماسکو فتح کرلیا

روس بیک وقت حیران کن اور دل چسپ ملک ہے‘ یہ دنیا کے 11 فیصد رقبے پر محیط ہے‘ گیارہ ٹائم زون ہیں‘ ملک کے اندر 9 گھنٹے کی فلائٹس بھی چلتی ہیں‘ سرحد گیارہ ملکوں سے ملتی ہے‘ یہ جنوب میں جاپان‘ چین‘ شمالی کوریا اور منگولیا سے ملتا ہے۔

درمیان میں سینٹرل ایشیا کے ملکوں قزاقستان‘ تاجکستان‘ ازبکستان‘ ترکمانستان‘ آذربائیجان‘ جارجیا اور آرمینیا‘ یورپ کی سائیڈ سے یوکرائن‘ رومانیہ‘ بلغاریہ‘ بیلاروس‘ لتھونیا‘ لٹویا اور اسٹونیا‘ قطب شمالی کی طرف سے فن لینڈ اور ناروے اور یہ دنیا کے آخری سرے سے الاسکا کے ذریعے امریکا سے بھی جڑا ہوا ہے۔

روس کی تین سرحدیں انتہائی دل چسپ ہیں‘ یہ سینٹ پیٹرز برگ سے فن لینڈ سے ملتا ہے‘ پیٹر برگ سے ٹرین یا فیری کے ذریعے فن لینڈ جانا ایک رومانوی تجربہ ہے‘ ناروے کے علاقے سورورینجر (Sor-Varanger) اور روس کے شہر پیچنگ سکی (Pechangsky) کے درمیان دس منٹ کا فاصلہ ہے‘ لوگ یہ فاصلہ پیدل عبور نہیں کر سکتے چناں چہ یہ روسی علاقے سے سائیکلیں لیتے ہیں‘ سائیکل پر ناروے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر سائیکل سرحد پر پھینک کر آگے روانہ ہو جاتے ہیں‘ سورورینجر شہر دنیا میں بے کار سائیکلوں کا قبرستان بن چکا ہے‘ شہر میں سائیکلوں کے ڈھیر کی وجہ معیار ہے۔

روسی سائیکلیں یورپین معیار کے مطابق نہیں ہوتیں چناں چہ نارویجین اتھارٹی روسی سائیکل آگے لے

جانے کی اجازت نہیں دیتی لہٰذا یہ انھیں سرحد پر پھینک جاتے ہیں، امریکی ریاست الاسکا اور روس کے درمیان بھی پانی کا چھوٹا سا چینل ہے، چینل کی دونوں سائیڈز سے فیری بھی چلتی ہے اور چھوٹے جہاز بھی، یہ بیس منٹ کا فاصلہ ہے لیکن دونوں کے درمیان چوبیس گھنٹے کا فرق ہے، آپ جوں ہی روس سے امریکا میں داخل ہوتے ہیں آپ چوبیس گھنٹے آگے چلے جاتے ہیں، روس کی یہ تینوں سرحدیں میری وش لسٹ میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اگر موقع دیا تو میں ان شاء اللہ سینٹ پیٹرز برگ سے فن لینڈ، پیچنگ سکی سے ناروے اور بگ ڈائیامیڈ سے الاسکا بھی جاؤں گا، دنیا میں جنگلات کا سب سے بڑا ذخیرہ بھی روس میں ہے، دنیا کے 25 فیصد درخت روس میں ہیں چناں چہ یہ پوری دنیا کو آکسیجن فراہم کرتا ہے، دنیا کا 34 فیصد میٹھا پانی بھی روس میں ہے، جھیل بیکال دنیا میں میٹھے پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے، دنیا کا سب سے بڑا دریا والگا بھی روس میں بہتا ہے۔

دنیا کے سب سے زیادہ دریا بھی روس میں ہیں، اس ملک میں 36 دریا بہتے ہیں، دنیا کا سرد ترین مقام اومیاکان بھی روس میں ہے، اومیاکان کا درجہ حرارت منفی 55 ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے، 1983 میں اس کا درجہ حرارت منفی 89.2 ڈگری سنٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا، دوسرا سرد ترین مقام ویرخویانسک بھی روس میں ہے، ویرخویانسک کا درجہ حرارت منفی 45 ڈگری تک گر جاتا ہے لیکن اس کے باوجود دونوں ٹاؤنز میں زندگی چلتی رہتی ہے، ان دیہات تک صرف سردیوں میں پہنچا جا سکتا ہے، کیوں؟ کیوں کہ سردی میں دریا جم جاتے ہیں اور ان جمے ہوئے دریاؤں پر ٹرک، بسیں اور گاڑیاں دوڑنے لگتی ہیں۔

دنیا کا گہرا ترین میٹرو اسٹیشن بھی روس کے شہر سینٹ پیٹرز برگ میں ہے، اس کی گہرائی 86 میٹر ہے، ماسکو کی زیر زمین ٹرین بھی زمین سے 82 میٹر گہرائی تک جاتی ہے، یہ اوسطاً 40 میٹر گہری ہے اور اس کے اسٹیشن دیکھنے کے قابل ہیں، یہ شاہی محلات اور آرٹ کا نمونہ دکھائی دیتے ہیں، ہمارے گروپ نے میٹرو کا وزٹ بھی کیا اور ہم اس کے فرش، دیواریں اور چھتیں دیکھ کر حیران رہ گئے، ماسکو کے زیر زمین ریلوے سے روزانہ 60 لاکھ لوگ سفر کرتے ہیں۔

روسی لوگ بہت خوب صورت اور اسمارٹ ہیں، قد لمبے اور جسم ستواں، موٹاپا نہ ہونے کے برابر، یہ لوگ

مسکراتے نہیں ہیں، آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی روس میں بچوں کو اسکول میں نہ مسکرانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے لہٰذا آپ کو اگر روس میں کوئی شخص قہقہہ لگاتا ہوا نظر آئے تو آپ جان لیں یہ روسی نہیں یہ غیر ملکی ہے، یہ لوگ انگریزی جانتے ہیں اور نہ بولتے ہیں، ماسکو شہر میں فی کس آبادی کے لحاظ سے دنیا کے سب سے زیادہ ارب پتی رہتے ہیں لیکن آپ کو اس کے باوجود ملک کے کسی حصے میں دولت کا وحشیانہ رقص نظر نہیں آتا، یہ بلا کے توہم پرست بھی ہیں، یہ نئے گھر میں پہلے بلی کو بھجواتے ہیں اور پھر خود داخل ہوتے ہیں، بلی اگر گھر میں داخل نہ ہو تو یہ گھر گرا دیتے ہیں یا پھر بیچ دیتے ہیں۔

یہ دولت مند ہونے کے لیے اپنے بائیں ہاتھ سے کتے کا پاؤں رگڑتے ہیں اور پیٹر دی گریٹ کے مجسمے کے نیچے سکے پھینکتے ہیں، روس میں دلہا اور دلہن چرچ میں شادی کے بعد شادی کے لباس میں شہر کا چکر لگاتے ہیں، ہمیں ماسکو اور سینٹ پیٹرز برگ دونوں شہروں میں درجنوں نئے نویلے جوڑے نظر آئے اور ہمارے گروپ کے لوگوں نے ان کے ساتھ تصویریں بنوائیں، یہ لوگ آہستہ بولتے ہیں، مہمان نواز ہیں، ٹیبل مینرز کے ایکسپرٹ ہیں، واڈکا شراب اور اسٹرانگ کافی پیتے ہیں چناں چہ آپ کو ہر دس پندرہ قدم بعد شراب کی دکان اور اسٹاربکس کافی مل جاتی ہے۔

تاہم یہ پبلک مقامات پر شراب نوشی کرتے ہیں اور نہ غل غپاڑہ، ہمیں سات دن میں کوئی شخص شراب کی بوتل اٹھا کر گلیوں میں جھومتا نظر نہیں آیا، روسیوں کے پینے پلانے کی عادت صرف شراب خانوں اور گھروں تک محدود ہوتی ہے، یہ بوتل اٹھا کر سڑکوں پر نہیں آتے، خاندانی اور شریف لوگ ہیں لہٰذا آپ کو مرد اور عورتوں کے آپس میں لپٹنے اور بوس و کنار کے مناظر نہیں ملتے، عورتیں اس قدر سلم اور اسمارٹ ہیں کہ یہ چھ انچ کی ہیل پہن کر آدھا شہر پھر آتی ہیں، عورتیں زیادہ اور مرد کم ہیں چناں چہ آپ کو ہر طرف عورتیں ہی عورتیں دکھائی دیتی ہیں، ماسکو شہر میں صرف 80 دن جب کہ سینٹ پیٹرز برگ میں 56 دن سورج نکلتا ہے، پورے ملک میں سال کے باقی دن دھند، بادل اور بارش رہتی ہے۔

یہ لوگ اولاد کو ترسے ہوئے ہیں، حکومت دو بچے پیدا کرنے والے خاندان کو دس ہزار ڈالر کے برابر رقم انعام دیتی ہے، تین بچوں کے خاندان کو ''بگ فیملی'' سمجھا جاتا ہے اور حکومت بگ فیملی کو وی آئی پی خاندان ڈکلیئر کر دیتی ہے۔

بگ فیملی کو ٹرانسپورٹ کی فری سروس، پارکنگ فیس کی معافی، تھیٹر کے مفت پاس اور سال میں دس پندرہ دنوں کے لیے چھٹیوں کی مفت سہولت دی جاتی ہے، والدین کسی بھی روسی ریاست میں کسی بھی تفریحی مقام پر مفت چھٹیاں گزار سکتے ہیں اور روس میں سائبیرین ٹرین کے نام سے ایک حیران کن ٹرین بھی چلتی ہے، یہ دنیا کا لمبا ترین ریلوے سفر ہے، یہ ٹرین آٹھ ٹائم زونز کو کراس کرتی ہے اور 87 شہروں اور والگا دریا سمیت 16 دریاؤں کے اوپر سے گزرتی ہے، یہ بھی ایک حیران کن سفر ہے، آپ ٹرین میں بیٹھ کر سائبیریا کے برف ستانوں سے گزرتے ہیں اور فطرت کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، یہ ٹرین بھی میری وش لسٹ میں شامل ہے، اللہ نے چاہا تو میں ان شاء اللہ اس میں بھی سفر کروں گا اور ریلوے لائن پر برف کو اڑتا دیکھوں گا۔

ماسکو میں کریملن اور ریڈ اسکوائر یہ دونوں ہماری منزل تھے، روس میں سرخ رنگ خوب صورتی کی علامت ہے، یہ لوگ جس چیز سے محبت کرتے ہیں یہ اس کو سرخ رنگ کر دیتے ہیں، ریڈ اسکوائر کو خوب صورتی کی وجہ سے ریڈ اسکوائر کہا جاتا ہے تاہم یہ بھی درست ہے اسکوائر کی زیادہ تر عمارتیں سرخ ہیں، لینن کا مقبرہ بھی ریڈ اسکوائر میں ہے، لینن کا انتقال 21 جنوری 1924 کو ہوا تھا، حکومت نے انتقال کے بعد اس کی لاش حنوط کر کے شیشے کے تابوت میں رکھ دی، روزانہ سیکڑوں لوگ آتے ہیں اور قطار میں لگ کر بابائے انقلاب کی زیارت کرتے ہیں۔

ہم بھی لینن کی لاش دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس دن ریڈ اسکوائر میں ملٹری فنکشن چل رہا تھا، لینن کا مقبرہ بند تھا لہٰذا ہم محروم رہ گئے، فضا میں جانے والا پہلا خلا نورد یوری گاگارین بھی لینن کے قریب کریملن کے قبرستان میں دفن ہے، ہمیں ماسکو میں اسپیس میوزیم جانے کا اتفاق بھی ہوا، میوزیم میں ان دونوں کتوں (فی میل) کی حنوط شدہ لاشیں موجود ہیں جو یوری گاگارین سے پہلے خلا میں بھجوائے گئے تھے۔

ان کے نام بیلکا اور اسٹریلکا تھے اور یہ دونوں کامیابی سے واپس آ گئے تھے، اسٹریلکا نے بعد ازاں ایک بچے (فی میل) کو جنم دیا جس کا نام پوشنکا رکھا گیا، روس نے امریکا کو جلانے کے لیے پوشنکا امریکی صدر جان ایف کینیڈی کی بیگم جیکولین کینیڈی کو گفٹ کر دی، یہ جب بھونکتی تھی تو امریکیوں کو محسوس ہوتا تھا پورا روس ان کا مذاق اڑا رہا ہے لہٰذا امریکا نے 1969 میں نیل آرمسٹرانگ کو چاند پر بھجوانے کا فیصلہ کرلیا، روس

کے ایئر اسپیس پروگرام نے دنیا کو بے شمار سہولتیں فراہم کیں‘ پیمپر اور نیپیز خلانوردوں کے لیے ایجاد ہوئی تھیں۔

یہ آج دنیا بھر کے بچے استعمال کرتے ہیں‘ نوڈلز اور فوری تیار ہونے والی خوراک بھی خلانوردوں کے لیے بنی تھی‘ ماڈرن ٹریک سوٹس‘ جی پی ایس‘ دانتوں کے بریسز کی تاریں‘ جہازوں میں استعمال ہونے والے کموڈز اور ٹیوبوں اور ٹرے میں اگائی جانے والی سبزیاں بھی خلانوردوں کے لیے ایجاد ہوئی تھیں لیکن یہ آج ہم جیسے لوگ استعمال کر رہے ہیں‘ ہمیں اسپیس میوزیم میں جا کر پتا چلا ایک خلانورد 10 سال میں تیار ہوتا ہے‘ یہ لوگ حقیقتاً جان نثار ہوتے ہیں‘ یہ جانتے ہیں یہ شاید ہی واپس آ سکیں لیکن یہ اس کے باوجود انسان کا فخر بن کر خلا کے سمندر میں اتر جاتے ہیں۔

اسپیس میوزیم میں ان دونوں ریاضی دانوں کی تصویریں بھی لگی ہیں جن کی کیلکولیشن پر سفر کر کے انسان نے خلا میں قدم رکھا تھا اور پیچھے رہ گیا کریملن تو یہ صدیوں سے روس کے بادشاہوں اور انقلابی لیڈروں کی سرکاری رہائش گاہ اور دفتر چلا آ رہا ہے۔

روس کے موجودہ صدر ولادی میر پیوٹن بھی کریملن میں بیٹھتے ہیں‘ سیاح ان کے دفتر کی دیوار تک جا سکتے ہیں اور ہمارا گروپ اس وقت اس دیوار کے سامنے کھڑا تھا‘ ہمارے پیچھے گہرائی میں ماسکو کا عظیم شہر بکھرا ہوا تھا‘ یہ وہ شہر ہے جس کے بارے میں ہٹلر نے کہا تھا ”جس نے ماسکو فتح کرلیا گویا اس نے پوری دنیا فتح کر لی‘ وہ فاتح اعظم بن گیا“ لیکن آپ کمال دیکھیے روسیوں نے آج تک کسی شخص کو فاتح اعظم نہیں بننے دیا‘ ہٹلر یہ خواب دیکھتے دیکھتے دنیا سے رخصت ہو گیا مگر ماسکو اپنی جگہ قائم رہا۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

• • •

لئیق احمد نعمانی
رفیق شعبہ تصنیف وتالیف
جامعہ دارالتقویٰ لاہور

حضرت عثمان غنیؓ پر اعتراضات اوران کا جواب

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی عمر ابھی ترسٹھ برس تھی اور آپ کی خلافت کو دس برس چھ مہینے اور چار دن ہوئے تھے کہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو آپ کے جسم اطہر میں ابولؤلؤ نے خنجر کھبو یا، کھبوئے ہوئے خنجر کا اثر زیادہ ہوا تو آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے، شہادت سے چند دن قبل لوگوں کی درخواست پر آپ نے خلافت کے معاملہ کو چھ لوگوں ۱۔ حضرت عثمان غنی ۲۔ حضرت علی المرتضی ۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ۴۔ حضرت زبیر بن عوام ۵۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ۶۔ حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: یہ وہ حضرات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو ان سے راضی اور خوش ہو کر گئے، پھر فرمایا: ان چھ حضرات میں سے جس کسی کے نام پر اتفاق ہو جائے، اسے خلیفہ بنا دیا جائے۔ تاریخ ابنِ خلدون میں کچھ الفاظ کے اضافے کے ساتھ اس طرح مذکور ہے: جس کے نام پر اتفاق ہو جائے یا اس کو اکثریت کی حمایت حاصل ہو اسے خلیفہ بنا دیا جائے۔ ان حضرات میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے یہ رائے دی کہ ہم میں سے ہر شخص کسی دوسرے کے نام کی سفارش کر کے خود سبکدوش ہو جائے ۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام نے حضرت علی المرتضی، حضرت طلحہ نے حضرت عثمان غنی اور حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہم) کو اپنا اپنا حق سپرد کر دیا۔

اب معاملہ تین حضرات کے درمیان رہ گیا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے فرمایا میں اپنا حق واپس لیتا ہوں اور آپ دونوں حضرات اپنا معاملہ میری صواب دید پر چھوڑ دیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے الگ الگ ملے اور اس بات کا اقرار لے لیا کہ جس کو میں خلافت کے لیے منتخب کروں، اس کو آپ بہ خوشی قبول کرتے ہوئے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) آگے بڑھے اور بیعت کی، اس کے بعد بیعت عامہ شروع ہوگئی۔ (صحیح بخاری)

مناقب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہوں گے۔ (ترمذی شریف، کتاب المناقب، باب ورفیقی فی الجنۃ عثمان، ح:۳۶۹۸)

حضرت نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کے مقام کے متعلق کچھ بیان فرمائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان وہ شخص ہیں کہ جن کو ملا اعلیٰ (یعنی آسمانوں پر فرشتوں کی جماعت) میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے داماد ہیں نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگر ان کے نکاح میں آئیں۔ (تاریخ خلفاء سیوطی، ص ۱۰۵، تذکرہ عثمان بن عفان)

جب حضرت ام کلثوم (رضی اللہ عنھا) کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی دل جوئی کے لیے ارشاد فرمایا: اگر میری (کوئی بن بیاہی) بیٹی اور ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ (فتح الباری) کثیر بن مرۃ ناقل ہے، علی متقی ہندی نے ابن عساکر کے حوالے سے کنزالعمال میں اس کو ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے بعض آدمیوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ بہترین شخص تھے، چوتھے آسمان پر ان کا لقب ذوالنورین تحریر کیا گیا، اور نبی کریم ﷺ نے ان کو یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں نکاح میں دیں۔

۲۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایک مکان خرید کر مسجد میں اضافہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے وہ مکان خرید کر مسجد میں ملا دیا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فلاں جو شخص قبیلہ کا مربد خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا، اس کی بخشش ومغفرت ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مربد خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیا۔

۴۔ ایک جنگی تیاری کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جیش العسرہ (غزوہ تبوک) کے لیے تیاری کا سامان پیش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے، تو حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے پالان کسنے کی رسی تک کا سامانِ لشکر مہیا کردیا۔ (کنز العمال، ج ۶ ص ۳۷۳، بحوالہ ابن عساکر)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو دختر آئی ہوں۔ اس وجہ سے انکا نام ذوالنورین رکھا گیا۔

حضرت عثمانؓ پہلے پہل ایمان لانے والے مسلمانوں میں سے تھے جنہیں سابقین اولین کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ اولین مہاجرین میں سے تھے (اور دو ہجرتوں کا ثواب حاصل کرنے والوں میں سے تھے)

جن دس صحابہ کرام کو جنت کی بشارت مل چکی ہے، ان میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

جن چھ آدمیوں سے نبی کریم ﷺ راضی رہ کر رخصت ہوئے، ان میں ایک حضرت عثمان غنی تھے۔

جن صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) نے قران مجید جمع کیا، ان میں ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔

(تاریخ خلفاء سیوطی، ص: ۱۰۵، ذکر عثمان رضی اللہ عنہ)

باغیوں کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش کرنا:

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ سے قبل تمام مسلمان آپس میں ایک طرح کے متفق ومتحد تھے۔ کفر کی طاقتوں کو ختم کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور اسلامی ریاست کا جھنڈا مراکش سے کابل تک کے علاقے میں لہرانے لگ گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آنے کے بعد مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ اختلافات برپا ہونے لگے یہاں تک کے مسلمانوں کی دو جماعتیں بن گئیں اور جنگ جمل اور صفین تک کی نوبت آگئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں بعض لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کے چند عہدے داران سے بعض انتظامی معاملات میں کچھ شکایات پیدا ہوگئیں۔ شر پسند عناصر نے جن کا سرغنہ عبد اللہ بن سبا منافق تھا، ان باتوں کو ہوا دے کر اعتراضات اور فسادات کی شکل دی، پھر آہستہ آہستہ فسادیوں

نے بغاوت کا رنگ اختیار کرلیا، ان شر پسندوں کا اصل مقصد مرکزِ اسلام پر ضرب لگا کر اہل اسلام میں پھوٹ ڈالنا تھا، جو انہوں نے خلیفہ اسلام کے قتل کے ذریعے حاصل کیا۔ چنانچہ بیتِ خلیفہ کا محاصرہ کر لیا گیا، محاصرے کے دوران ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر ڈالا۔

آپ پر کیے جانے والے اعتراضات:

۱۔ حضرت عثمان غنی نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے اقرباء کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔

۲۔ عبداللہ بن سعد ابی سرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ فتح مکہ سے قبل اسلام لایا۔ آنحضرت ﷺ نے کتابتِ وحی کی خدمت سپرد فرمائی، لیکن یہ قرآن پاک میں تحریف کرنے لگا اور مرتد ہوگیا، فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اس کو مباح الدم قرار دیا تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرا لی اور جب خلیفہ ہوئے تو اس کو مصر کا گورنر بنا دیا۔

۳۔ حکم بن العاص جو حضرت عثمان غنیؓ کے چچا تھے، ان کو آنحضرت ﷺ نے افشائے راز کے جرم میں طائف میں جلاوطن کر دیا تھا، لیکن آپؓ نے ان کو مدینہ واپس بلا لیا اور انعام واکرام کی بارش کر دی۔

۴۔ بیت المال سے اپنے خاندان بنی امیہ کے افراد واشخاص کو بڑی رقمیں بغیر استحقاق شرعی کے انعام واکرام کے طور پر دیتے تھے۔

۵۔ عمال ومنصب دارانِ بنوامیہ کی بدعنوانیوں سے چشم پوشی کرتے تھے۔

اعتراض اول کا جواب:۔

اس حقیقت سے کس کو شناسائی نہیں کہ عزل ونصب یہ ہر حکومت کے لوازمات میں سے ہے اور یہ ظلم وستم کے بجائے بیدار مغزی اور روشن ضمیری کی دلیل ہوتی ہے۔ خود خلافتِ فاروقی اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جن کے متعلق آپؓ خلافتِ صدیقی میں بھی بارہا یہ رائے دے چکے تھے کہ ان کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو امیرِ لشکر (سپہ سالارِ اعظم) ہونا چاہیے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر دفعہ یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں ڈالنا چاہتا، جس وقت حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا آغاز ہوا تو آپؓ نے مسلمانوں کے معاملہ میں غور وفکر کر کے یہ رائے قائم کی کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ملک شام کی طرف لشکر کشی کرنے والے مجاہدین کے سپہ سالارِ اعظم ہوں گے

لیکن آپ کے دل میں جو حضرت خالد بن ولیدؓ کا مقام ومرتبہ تھا، اس کا اندازہ آپؓ کی وفات کے وقت حضرت عمر فاروقؓ نے جس افسوس وغم کا اظہار کیا اس سے ہوسکتا ہے۔ (فتوح الشام، علامہ واقدیؒ)

دوسری بات جو اس سلسلے میں ملحوظ رہنی چاہیے، یہ ہے کہ کسی عہدہ دار کو اس کے عہدے سے معزول کر کے کسی دوسرے شخص کا تقرر ہمیشہ معزول عہدہ دار کی تنقیص اور توہین پر مبنی نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات اس سے کوئی اعلیٰ سیاسی غرض یا جماعتی مصلحت وابستہ ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی شکایت پر جس کے غلط ہونے کا یقین خود حضرت عمر فاروقؓ کو تھا گورنری سے معزول کیا تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں ان کا مرتبہ ومقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اپنی جانشینی کے لیے، حضرت عمر فاروقؓ نے جن چھ بزرگوں کے نام منتخب کیے تھے، ان میں ایک نام حضرت سعد بن ابی وقاص کا بھی تھا۔ اور اس وقت آپ نے اس کی بھی تصریح کر دی تھی کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کو ان پر کسی الزام کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

علاوہ ازیں اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ شرف صحبت نبوی کے باعث صحابہ کرام کا جو مرتبہ ومقام دینی و روحانی اعتبار سے ہے وہ دوسروں کا نہیں ہوسکتا، لیکن ملکی نظم ونسق، ایڈمنسٹریشن، جنگی مہارت، فوج کی قیادت اور سیاسی سوجھ بوجھ، ان سب کا معاملہ بالکل دوسرا ہے، ضروری نہیں ہے کہ جو حضرات دینی اور روحانی حیثیت سے بلند مرتبہ ومقام پر فائز ہوں، ان میں یہ کمالات اور صلاحیتیں بھی اعلیٰ درجہ کی ہوں اور ایک حکومت کی روشن دماغی اور بیدار مغزی کا تقاضا ہے کہ ہر کام کے لیے وہ ایسے شخص یا اشخاص کا انتخاب کرے جن میں امور متعلقہ کو انجام دینے کی فطرتی صلاحیت بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ ہو۔ اور انسان اپنے راشتہ دار کے متعلق دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہوتا ہے تو ممکن تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے چند اقرباء کو عہدوں پر فائز اس لیے کیا ہو کہ ان کے ظاہر و باطن اور مزاج سے میں باخوبی واقف ہوں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے حالانکہ ریاست کے اکثر علاقوں میں رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے حضرات خدمت انجام دے رہے تھے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:

حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح، فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور کتابت وحی کی خدمت انجام دینے لگے، لیکن بعد میں مرتد ہوگئے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جن چار آدمیوں کو واجب القتل

قرار دیا تھا، ان میں ایک یہ بھی تھے، لیکن حضرت عبد اللہ بن سعد کو حضرت عثمانؓ ساتھ لے کر بارگاۂ نبوی میں حاضر ہوئے، اب انہوں نے توبہ کی، اسلام کی تجدید کا اعلان کیا، حضرت عثمان غنیؓ نے سفارش کی، آخر کار آنحضرت ﷺ نے کچھ تامل کے بعد حضرت عبد اللہ بن سعد کا اسلام قبول فرمایا اور ان کی جان بخشی ہو گئی۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، اسد الغابہ، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۲۵۹، ح: ۲۹۷۴

اس واقعہ میں کون سی اعتراض کی بات ہے؟ کیا ایک مرتد کو تجدیدِ اسلام پر آمادہ کر کے بارگاۂ نبوی میں پیش کرنا عظیم کارِ ثواب نہیں ہے؟ پھر توبہ کے بعد تو پچھلے تمام تر گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تاریخ اسلامی اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب:

حکم بن ابو العاص حضرت عثمان غنیؓ کے چچا تھے، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور مدینہ طیبہ میں رہنے لگے، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کے پیٹ کے کچے ہیں، جو باتیں بھید کی ہوتی ہیں، ان کو بھی افشا کر دیتے ہیں، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو طائف میں جلاوطن کر دیا تھا۔ خلافت فاروقی تک وہیں رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو مدینہ بلا لیا آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

اس واقعہ میں بھی کون سی بات قابلِ اعتراض ہے؟ حکم بن ابو العاص کا جرم یہی تھا کہ وہ اسرار نبوی کا افشا کر دیتے تھے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس جرم کے ارتکاب کا امکان ہی باقی نہیں رہا، تو اب جلاوطنی کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ حکم بن ابو العاص اپنے اس طرزِ عمل پر شرمندہ اور نادم ہوئے ہوں، انہوں نے توبہ واستغفار کر کے معافی مانگ لی ہو اور توبہ سے تو بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت وحشیؓ کا واقعہ، کس قدر تکلیف ہوئی آپ ﷺ کو اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے اس طرح شہید ہونے پر، لیکن جوں ہی حضرت وحشیؓ نے دربارِ رسالت میں آ کر معافی وتوبہ کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے بس اتنا فرما کر سب کچھ معاف کر دیا: آپ میرے سامنے نہ آیا کریں، (وجہ یہ تھی کہ تمہیں دیکھوں گا تو چچا کی یاد آئے گی اور پرانا غم تازہ ہو جائے گا۔ (اسد الغابہ، جلد نمبر ۵، صفحہ نمبر ۴۳۸)

اسد الغابہ، جلد ۲، صفحہ نمبر: ۳۸، میں یہ الفاظ موجود ہیں ”کنت قد شفعت فیہ الی رسول اللہ ⍰فوعدنی بردہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے چچا حکم بن ابو العاص کے معاملہ میں سفارش کی تو آپ ﷺ

نے ان کے واپس بلانے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ نے خود ہی واپس بلانے کا فرمایا دیا تھا تو اب اعتراض کی کیا گنجائش؟

چوتھے اعتراض کا جواب:

ایسا ہرگز نہیں تھا کہ آپ اقربا پر بغیر استحقاق شرعی خرچ کرتے ہوں یا انعام واکرام سے نوازتے ہوں، جو شخص اپنے ذاتی اخراجات میں بے جا یا حد سے تجاوز کرنے کو پسند نا کرتا ہو، جیسا کہ: وہ واقعہ ایک صاحب آئے آپ ﷺ کے پاس اور آکر اپنی بے بسی اور احتیاج کا ذکر کرکے مدد کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے ان صاحب کو حضرت عثمان غنیؓ کے پاس بھیج دیا، جب یہ صاحب حضرت عثمانؓ کے درِ دولت پر پہنچے تو اندر سے لڑنے کی آواز آرہی تھی کہ آج تم نے دیا سلائی موٹی کردی جس کی وجہ سے تیل زیادہ خرچ ہوا، تو یہ آنے والے سوچ میں پڑ گئے کہ خود تو دیا سلائی کے موٹے ہونے پر لڑ رہے ہیں۔ مجھے کیا دیں گے؟ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا تھا، اس لیے دستک دے کر سوال کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کچھ کہے بغیر ایک تھیلی لے آئے جس میں تقریبا ۳۰۰ دینار تھے۔

لہذا خلیفہ راشد سے یہ بات متصور نہیں ہوسکتی کہ وہ قومی خزانہ میں ایسے بے باگ مال اپنے اعزا پر خرچ کریں، جن کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ بھی ان سے حیا کرتے تھے۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ آپ سخاوت میں حد درجہ فراخ دلی سے کام لیتے تھے اسی وجہ سے آپ کو غنی کے لقب سے پکارا جانے لگا، چنانچہ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ اکیلے ہی نے تقریبا تمام لشکر کا انتظام کر دیا۔ اور بے شمار جگہوں پر آپ نے مسلمانوں کی معاونت میں اپنا مال خرچ کیا، جس کی بنا پر دربارِ رسالت سے آپ کو بارہا جنتی ہونے کی بشارت ملی، تو ایسی ذات اقدس سے کیا بعید ہے کہ وہ اعزاء واقرباء پر ذاتی مال خرچ نہ کریں، جبکہ احادیث متواترہ اور قرآن پاک میں جا بجا صلہ رحمی کی طرف توجہ دلائی گئی اور اس پر جو انعام واکرام سے نوازا جائے گا بیان کیے گئے، تو ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے رشتہ داروں پر اپنا ذاتی مال خرچ کیا ہو۔

> چنانچہ جب ملک میں شورش اور فسادات بڑھنے لگے تو آپ نے مجمع عام میں نہایت بلیغ تقریر کی آپ نے فرمایا: "اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل خانہ سے محبت

کرتا ہوں اور ان کو دیتا دلاتا ہوں، تو ہاں میں محبت کرتا ہوں، لیکن ان کی محبت مجھ کو نا انصافی پر آمادہ نہیں کرسکتی، بلکہ میرے اہل بیت پر جو کسی کے حقوق ہیں وہ ان سے دلواتا ہوں، رہا ان کو دینا دلانا! تو جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں وہ اپنے مال میں سے دیتا ہوں اور مسلمانوں کا مال تو نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور شخص کے لیے۔ میں عہدِ نبوی اور اس کے بعد عہدِ شیخین میں بڑے بڑے عطیات اپنی کمائی میں سے دیا کرتا تھا، حالانکہ میں اس زمانے میں کفایتِ شعار تھا تو پھر اب جبکہ میں اپنے خاندان کی اوسط عمر کو پہنچ چکا ہوں اور زندگی پوری ہوگئی ہے اور میرے پاس جو کچھ تھا گھر والوں کے سپرد کر چکا ہوں، یہ ملحد اور خدا ناشناس جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں اور بخدا میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالا جس کی وجہ سے ان لوگوں کا ایسا کہنا درست ہو اور جو کچھ وصول ہوا وہ سب خراج دینے والوں اور مسلمانوں پر ہی میں نے خرچ کیا ہے، پھر میرے پاس جو کچھ آیا ہے وہ خمس آیا ہے، اس میں سے کوئی چیز میرے لیے حلال نہیں تھی، مسلمانوں کو اختیار تھا میرے مشہورہ کے بغیر جہاں چاہیں خرچ کریں۔ اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ کے برابر بھی کوئی چیز تلف نہیں ہوئی اور میں نے اس میں سے کوئی چیز ہڑپ نہیں کی، میں جو کچھ کھاتا ہوں اپنے مال سے کھاتا ہوں۔ (تاریخ الطبری، جلد ۸، صفحہ نمبر: ۳۴۷)

پانچویں اعتراض کا جواب:

حضرت عثمان غنیؓ اپنے عہدِ داران اور افسرانِ حکومت کے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھتے تھے۔ لوگوں سے دریافتِ حال کرتے رہتے تھے اور جس کسی میں کوئی بات قابلِ اعتراض پاتے، اس پر فوراً ٹوکتے اور اس کی اصلاح کرتے تھے، چنانچہ جب آپؓ کے ماں شریک بھائی ولید بن عقبہ (جو کوفہ کے گورنر بھی تھے) نے شراب پی اور آپؓ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپؓ نے اس پر حد جاری کی۔ (سنن ابی داؤد)

اتنی بات ضرور تھی کہ مملکت اسلامیہ عہد عثمانی میں بہت وسیع ہوگئی تھی، فاصلے دور دراز کے تھے، رسل اور رسائل میں وقت صرف ہوتا تھا اس بنا پر یہ ممکن تھا کہ کوئی واقعہ حضرت عثمانؓ کے علم میں ہی نہ آیا ہو، لیکن ایسا ہر گز نہیں ہوسکتا کہ کوئی واقعہ آپؓ کے سامنے آئے اور آپ اس پر کوئی تادیبی کاروائی نہ کریں، یہی وجہ تھی کہ

باغیوں کی صف میں وہ لوگ بھی پیش پیش تھے جن کو آپؓ نے ان کی بے اعتدالیوں کی بنیاد پر سزا دی تھی۔

ان عنوانات کو باغیوں نے ہوادی اور سادہ مسلمانوں کو بھی اپنی ناپاک مہم کا حصہ بنالیا، عبداللہ بن سبا نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بغاوت کو پروان چڑھایا، چنانچہ ہر طرف سے لوگ آنا شروع ہو گئے، اگرچہ نظریات کچھ الگ الگ تھے، لیکن سب کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کو معزول کیا جائے پہلی مرتبہ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا، لیکن راستہ میں مصریوں کو ایک شخص ملا جو خلیفہ کا خط لے کر والیِ مصر کے پاس جا رہا تھا، وفد کو شبہ ہوا اور اس قاصد کی جامہ تلاشی لی تو خط نکلا، جس میں یہ تحریر تھا کہ وفد کی گردن اڑا دی جائے، اس پر وفد کو خلافت کی بدعہدی پر سخت غصہ آیا اور وہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے، آتے ہی گھر کا محاصرہ کرلیا۔ خط کے متعلق جب حضرت عثمان غنیؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

درحقیقت یہ بھی عبداللہ بن سبا ہی کی سازش تھی کہ کبھی بنا بنایا کام بے کار نہ چلا جائے، اس لیے اس نے خط لکھا اور اس پر جعلی مہر خلافت نصب کی اور قاصد کو وفد کے روانا ہونے کے قریب قریب ہی روانہ کر دیا، لہٰذا ان وفود کو استعمال کیا گیا اور بیت عثمان کا محاصرہ کرلیا گیا۔ شروع شروع میں محاصرہ سخت نہ تھا نمازیں حضرت عثمان غنیؓ ہی پڑھاتے تھے، جس وقت مختلف شہروں سے کمک اور مدد آنے کی اطلاع ہوئی تو باغیوں نے محاصرہ سخت کر دیا، تاکہ مطالبات فوراً پورے کروائے جاسکیں۔ آپ نے خلافت کو ان بے بنیاد الزامات کی بنا پر چھوڑنے سے اس لیے انکار کر دیا، کیونکہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عثمان غنیؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ پاک تم کو ایک قمیص پہنائیں گے (اور تم خلیفہ بنو گے) پھر اگر کچھ لوگ تمہیں اس کو اتارنے (یعنی خلافت سے دستبردار ہونے) پر مجبور کریں تو تم ان کی وجہ سے اس کو نہ اتارنا (اور خلافت کو نہ چھوڑنا کیونکہ تم حق پر ہو گے اور وہ لوگ ناحق پر ہونگے اور باغی ہونگے، اگر تم نے ان کی وجہ سے خلافت چھوڑی تو لوگوں کو یہ خیال ہوگا کہ شاید تم ناحق پر تھے اور وہ باغی حق پر تھے اسی لیے تم خلافت سے دستبردار ہو گئے) (مرقاۃ المفاتیح، جلد نمبر: ۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب عثمانؓ، ح: ۶۰۷۶)

آخرکار باغیوں نے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھانے سے بھی منع کر دیا اور باہر آنا جانا بھی بالکل بند کر دیا اور چند دنوں بعد پانی تک بند کر دیا۔

حضرت ثمامہ بن حزن قشیریؒ کہتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں جس وقت محصور تھے میں اس وقت موجود تھا جب انہوں نے محاصرہ کرنے والوں کی طرف

جھانکا اور ان سے کہا میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں سوائے رومہ نامی کنوئیں کے کوئی اور کنواں ایسا نہ تھا جس سے میٹھا پانی حاصل ہوتا ہو تو آپ نے فرمایا کون شخص ہے جو رومہ کنویں کو خریدے (اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دے) کہ اپنے ڈول کو مسلمانوں کے ڈولوں کے ساتھ کر دے (یعنی سب یکساں اس سے پانی حاصل کریں خود خرید کر وقف کرنے والے کی بھی اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہ رہے) اپنے لیے جنت میں اس سے بہتر کے عوض میں، تو میں خالص اپنے مال میں سے پینتیس ہزار درہم یعنی ۱۰۷ کلو چاندی میں اس کو خریدا اور آج تم مجھے ہی اسی کنویں سے پانی پینے سے روکتے ہو یہاں تک کہ میں (مجبور ہو کر) سمندر (کی طرح) کا (نمکین کھارا) پانی پیتا ہوں۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں! (ہم اس بات کو جانتے ہیں) فہم حدیث، جلد اول، صفحہ نمبر: ۲۲۵ از ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ

آپؓ کو خون وفساد پسند نہ تھا اور نہ ہی مدینہ جیسے مقدس و پاکیزہ شہر کی گلی کوچے کو خون کی ندی بنانا چاہتے تھے، اس لیے آپؓ نے ہر ایک کو تعارض سے منع کر دیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور) ان سے سرگوشی کرنے لگے جس سے عثمان (کے چہرے) کا رنگ بدلنے لگا، جب گھر میں محصوری کا زمانہ آیا اور وہ اس میں محصور ہو کر رہ گئے تو ہم نے کہا اے امیر المومنین! آپ (ان باغیوں سے) لڑتے کیوں نہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا (جس میں یہ بھی شامل تھا کہ میں ان باغیوں کے خلاف کوئی مسلح اقدام نہ کروں۔ میں اپنے اس عہد پر قائم ہوں) اور اس پر اپنے آپ کو صبر کئے روکا ہوا ہوں۔ فہم حدیث، جلد اول، صفحہ نمبر: ۲۲۶ از ڈاکٹر مفتی عبدالوحد صاحبؒ

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کا آفتاب آپ کی شہادت کے ساتھ غروب ہوا۔ باغیوں نے آپ کو تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے شہید کیا۔ آپ ﷺ کے فرمان کی ترجمانی بالکل سچ ثابت ہوئی، جس وقت آپ ﷺ احد پہاڑ پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرات شیخینؓ اور حضرت عثمان غنیؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ احد لرزنے لگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد ٹھر جا! تجھ کو خبر نہیں کہ تجھ پر اللہ کا ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہداء ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح)

● ● ●

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

”جہان دیدہ“

بیس ملکوں کا سفر نامہ

سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جسے مسافر سفر کے دوران یا منزل پر پہنچ کر اپنے تجربات اور مشاہدات کی مدد سے تحریر کا جامہ پہناتا ہے اور اپنی گزری ہوئی کیفیات سے دوسروں کو واقف کراتا ہے۔ راہ میں پیش آنے والے اپنے تحیّر، استعجاب اور اضطراب کو اس طرح سے قلم بند کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے نہ صرف پوری تصویر آجاتی ہے بلکہ اس مقام سے متعلق تمام معلومات مع تفصیل اس کے علم اور آگہی میں اضافہ کردیتی ہیں۔ ”جہان دیدہ“ بھی ایسا ہی ایک سفر نامہ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے سفر ناموں کا پہلا مجموعہ ہے جو بیس ملکوں کے سفر کی تفصیل اور روئیداد پر مشتمل ہے۔ قبل ازیں آپ ان صفحات پر حضرت مفتی صاحب کا سفر نامہ ”سفر در سفر“ پڑھ چکے ہیں جسے قارئین نے بہت پسند کیا۔ اب قسط وار ”جہان دیدہ“ شائع کیا جارہا ہے جو نہایت دلچسپ اور اپنے اندر بیش بہا معلومات کا خزینہ لئے ہوئے ہے، امید ہے قارئین پسند کریں گے اور یہ سلسلہ ان کے علم و عمل میں اضافے کا باعث بنے گا۔ ان شاء اللہ

وادیٔ دجلہ وفرات

میرا صفر 1405ھ کا پورا مہینہ اور اس کے بعد ربیع الاوّل کے کچھ ایام بیرونِ ملک سفر میں صرف ہوئے۔ پانچ ہفتوں کے اس سفر میں مجھے کینیا، جنوبی افریقہ، سعودی عرب اور عراق چار ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس دورے کی بہت سی باتیں یقیناً قارئین کے لئے باعث دلچسپی ہوں گی۔ اس لیے اس کے

مختصر حالات وتاثرات پیشِ خدمت ہیں۔

آج سے تقریباً دو سال قبل مرزا غلام احمد قادیانی کے لاہوری متبعین نے کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) کی سپریم کورٹ میں مسلمانوں کے خلاف یہ درخواست دائر کی تھی کہ یہاں کے مسلمان ہمیں اپنی مسجدوں میں نماز پڑھنے اور اپنے قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکتے ہیں، اور ہمیں غیر مسلم قرار دیتے ہیں، حالانکہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے اس سے ہماری ہتک عزت ہوئی ہے، اس سلسلے میں ہم ایک باضابطہ مقدمہ سپریم کورٹ میں دائر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب تک اس مقدمہ کا تصفیہ ہو، مسلمانوں کو عارضی حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ اس دوران ہمیں کافر کہنے اور مسجد اور قبرستانوں کو ہمارے لئے ممنوع قرار دینے سے باز رہیں، اس وقت وہاں کی سپریم کورٹ نے اس قسم کا عبوری حکم امتناعی جاری بھی کر دیا تھا۔

جب اس حکم امتناعی کی توثیق کا مرحلہ آیا تو وہاں کے مسلمانوں کی فرمائش پر پاکستان سے ایک وفد مسلمانوں کی مدد کیلئے گیا تھا، جس میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ بفضلہ تعالیٰ اس مرحلے پر عدالت نے اپنا حکم امتناعی واپس لے کر مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جس کی مفصل روداد میں دو سال قبل البلاغ کے محرم وصفر 1403ھ کے شمارے میں لکھ چکا ہوں۔

اس کے بعد مرزائی صاحبان نے سپریم کورٹ میں اصل مقدمہ دائر کر دیا۔ وہاں کے عدالتی طریق کار کے مطابق دعویٰ، جواب دعویٰ اور جانبین کی طرف سے ان کی تحریری وضاحتوں میں تقریباً دو سال لگ گئے اور بالآخر مقدمے کی سماعت کے لئے یکم نومبر کی تاریخ مقرر ہوگئی۔

اس مقدمے کے مختلف مراحل کا جائزہ لینے کے لئے پاکستان میں ایک کمیٹی بنی ہوئی تھی۔ اس مرحلے پر کیپ ٹاؤن کے مسلمانوں نے اس کمیٹی سے دوبارہ فرمائش کی کہ وہ مقدمے سے کچھ پہلے وہاں پہنچ کر ان کی مدد کرے، اور ایسے ماہر گواہوں کا بھی انتظام کرے، جو بوقت ضرورت مسلمانوں کی طرف سے گواہی دے سکیں۔ چنانچہ یہاں سے رابطۃ العالم الاسلامی کے زیر اہتمام اور جناب مولانا ظفر احمد انصاری کی زیر قیادت ایک گیارہ رکنی وفد تشکیل دیا گیا، جس میں قائدِ وفد اور احقر کے علاوہ جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ صاحب، جناب ریاض الحسن گیلانی ڈپٹی اٹارنی جنرل پاکستان، جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی، جناب علامہ خالد محمود، جناب مولانا عبدالرحیم اشعر، جناب حاجی غیاث محمد صاحب (سابق اٹارنی جنرل پاکستان)، جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب، جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور جناب پروفیسر محمود

احمد غازی صاحب شامل تھے۔

25اکتوبر کو شام پانچ بجے ہم پی آئی اے کے طیارے کے ذریعے کراچی سے روانہ ہوئے اور ابوظہبی میں ایک گھنٹے کے وقفے کے بعد رات کے گیارہ بجے نیروبی پہنچے، رات نیروبی میں گزار کر صبح 7 بجے برٹس ایئرویز کے طیارے سے دوبارہ روانہ ہوئے، اور مقامی وقت کے مطابق گیارہ بجے دوپہر جوہانسبرگ پہنچے۔ جوہانسبرگ میں جمعیۃ علماء ٹرانسوال کے سربراہ مولانا ابراہیم میاں اور ان کے رفقاء اور دوسرے احباب نے استقبال کیا، نمازِ جمعہ کا وقت قریب تھا، اس لئے پہلے جمعہ کی ادائیگی ضروری تھی، چنانچہ میزبانوں کی تجویز کے مطابق اعضاء وفد مختلف مساجد میں تقسیم ہوگئے۔ احقر نے کرک اسٹریٹ کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی اور انگریزی میں مختصر خطاب بھی ہوا۔

جمعہ کے بعد وفد کے تمام ارکان مولانا ابراہیم میاں کے مدرسے سے اسلامی مرکز ''واٹر فال اسلامک انسٹیٹیوٹ'' پہنچے اور رات وہیں گزاری۔ اس دوران انسٹیٹیوٹ کے کتب خانے سے استفادہ ہوتا رہا۔ مولانا نے اس دور دراز مقام پر علمی کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ یہاں جمع کرلیا ہے، جو غالباً جنوبی افریقہ میں دینی کتب کا سب سے بہترین ذخیرہ ہے۔

27اکتوبر کی صبح دس بجے جوہانسبرگ سے روانہ ہوئے اور دو گھنٹے کی پرواز کے بعد بارہ بجے کیپ ٹاؤن کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ اگرچہ جنوبی افریقہ میں گرمیوں کی آمد آمد تھی، لیکن موسم بڑا خوشگوار اور ہمارے لحاظ سے کسی قدر سرد تھا۔ ہوائی اڈے پر کیپ ٹاؤن کی مسلم تنظیموں کے نمائندے اور عام مسلمان بڑی تعداد میں استقبال کے لیے موجود تھے۔ جنہوں نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اپنی روایتی مہمان نوازی کا غیر معمولی نقش دلوں پر قائم کیا۔

شروع میں مقدمے کی تاریخ یکم نومبر مقرر تھی، لیکن مدعی کی طرف سے چار روز کی مزید مہلت طلب کی گئی جو عدالت نے دے دی۔ لہذا مقدمہ 4 نومبر کو شروع ہوا۔ مقدمے کے پہلے دن سماعت کے لئے کیپ ٹاؤن شہر سے باہر ایک مضافاتی بستی کی عدالت کو منتخب کیا گیا تھا جو شہر سے تقریباً تیس میل دور ہوگی۔ لیکن مقدمے سے ہم مسلمانوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ صبح سویرے سے وہاں پہنچنے شروع ہوگئے تھے اور جب مقدمہ شروع ہوا تو نہ صرف ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بلکہ راہداریوں میں بھی تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور ملحقہ برآمدے میں بھی کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ ابتداء میں مسلمانوں کے فاضل وکیل اسماعیل محمد

صاحب نے عدالت سے درخواست کی کہ اصل مقدمے کی کارروائی سے قبل وہ اس نکتے پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ اس مقدمے کی سماعت اس عدالت کیلئے مناسب نہیں ہے۔ جج نے اس نکتے پر بحث کرنے کا جواز فاضل وکیل سے طلب کیا تو انہوں نے اس سلسلے میں اپنے دلائل پیش کئے۔ بعد میں جج نے مدعی کے وکیل مسٹر فارلم سے پوچھا کہ اس بارے میں ان کا کیا موقف ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر مسٹر اسماعیل محمد اس موضوع پر بحث کرنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن ان کی بحث گواہوں کے بغیر محض بحث ہونی چاہئے۔ اس پر جج نے کہا کہ میں اس بات کا فیصلہ کل سناؤں گا کہ ان ابتدائی قانونی نکات پر بحث سنی جائے یا نہیں؟ اور اس پر اُس دن عدالت برخاست ہوگئی۔

اگلے روز جج صاحب نے یہ فیصلہ دیا کہ مسٹر اسماعیل محمد کو ابتدائی قانونی نکات پر بحث کی اجازت دی جاتی ہے، البتہ وہ اپنے نکات کے ثبوت میں صرف بحث کریں گے، کوئی گواہی پیش نہیں کریں گے۔ چنانچہ شام تک مسٹر اسماعیل محمد اپنے نکات کے حق میں دلائل پیش کرتے رہے۔ ان کی تقریر ماشاء اللہ اتنی مدلل، عمیق، حوالوں سے بھرپور اور اسلوب بیان کے لحاظ سے اتنی مسحور کن تھی کہ سارا دن گزر گیا اور وقت کا اندازہ بھی نہ ہوسکا۔ مقدمے کی اتنی بھرپور تیاری اور اُسے پیش کرنے کا ایسا دلکش اور مرتب انداز بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

6 نومبر کو فریق مخالف کے ایڈوکیٹ مسٹر فارلم نے مسٹر اسماعیل محمد کے دلائل کا جواب دینا شروع کیا، انہوں نے اپنی تقریر میں متعدد قانونی نکات اٹھائے اور اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے کافی مفصل بحث کی جو شام تین بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد مسٹر اسماعیل محمد نے تقریباً ایک گھنٹہ جوابی تقریر کی اور مسٹر فارلم کے اعتراضات کا نکتہ بہ نکتہ دلچسپ جواب دیا۔ آخر میں جج صاحب نے کہا کہ وہ ان ابتدائی قانونی نکات پر اپنا فیصلہ محفوظ کرتے ہیں اور اس پر عدالت برخاست ہوگئی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ان ابتدائی نکات پر عدالت کا فیصلہ بظاہر جنوری 1985ء تک سامنے آسکے گا، اگر عدالت نے مسٹر اسماعیل محمد کے نکات سے اتفاق کیا اور یہ قرار دیا کہ عدالت کے لئے اس مسئلے کی تفصیلات میں جانا مناسب نہیں ہے تو مرزائی صاحبان کی درخواست ناقابل سماعت ہوکر خارج ہوجائے گی اور اگر فیصلہ یہ ہوا کہ یہ مقدمہ قابلِ سماعت ہے تو پھر مقدمہ تفصیلاً چلے گا جس میں دونوں طرف سے طویل گواہیوں کی نوبت آئے گی۔

مقدمے اوراس کی مزید تفصیلات اگر زندگی رہی اور مناسب ہوا تو ان شاء اللہ مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد عرض کی جائیں گی۔ لیکن کیپ ٹاؤن کے پندرہ روزہ قیام میں جس قابلِ ذکر اور سبق آموز بات کا نقش دل پر قائم ہوا وہ اس علاقے کے مسلمانوں کا پُرجوش دینی جذبہ ہے۔ کیپ ٹاؤن کو جنوب میں دنیا کا آخری سرا سمجھنا چاہیے۔ اس دورافتادہ علاقے میں جو صدیوں سے مغربی اقوام کے زیرِ تسلط ہے، اور جہاں قدم قدم پر بے دینی، عیش وعشرت اور عریانی وفحاشی کے محرکات شب وروز کارفرما ہیں، یہ مسلمان اپنی دینی روایات کو بڑی حد تک تھامے بیٹھے ہیں، اقلیت ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے جان کی بازی لگائی ہوئی ہے اور جب کبھی کسی دینی مسئلے پر آنچ آتی ہے تو ان کا جذبۂ بے تاب قابلِ دید ہوتا ہے۔

اس مقدمے کے موضوع پر بھی ملک کے تینوں صوبوں ٹرانسوال، نٹال اور کیپ سے مسلمانوں کے نمائندے کیپ ٹاؤن میں جمع ہوگئے تھے اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا قابلِ رشک جذبہ کھلی آنکھوں محسوس ہوتا تھا۔

ان حضرات نے خالص دینی جذبے کے تحت جس طرح پاکستانی وفد کیلئے دیدہ ودل فرشِ راہ کئے اور جس محبت اور گرم جوشی کا معاملہ کیا وہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ناقابلِ فراموش یادگار ہے۔

کیپ ٹاؤن دنیا کے حسین ترین مقامات میں سے ایک ہے، یہاں سمندروں، پہاڑوں، جھیلو اور سرسبز میدانوں، ہرطرح کا فطری حسن موجود ہے۔ اوراسی شہر کے جنوب میں تقریباً 70-80 کلومیٹر کے فاصلے پر وہ مشہور تاریخی ٹیلہ ہے جسے اُردو میں ''راس اُمید''، عربی میں ''راس الرجاء الصالح'' اور انگریزی میں ''کیپ آف گڈ ہوپ'' کہا جاتا ہے، اور جو اس سمت میں آباد دنیا کا آخری کنارہ ہے یہیں سے واسکوڈی گاما نے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا تھا، اور اسی مقام پر دنیا کے دو بڑے سمندروں، بحراوقیانوس اور بحر ہند کا وہ سنگم ہے جو ''مرج البحرین یلتقیان'' کا دل آویز منظر پیش کرتا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہاں آنا ہوا تھا۔ اس مرتبہ موسم صاف تھا، اس لیے وہ امتیازی لکیر میلوں دور تک نظر آرہی تھی، جسے قرآنِ کریم نے ''بینھما برزخ لایبغیان'' سے تعبیر فرمایا ہے اور جسے دیکھ کر انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ:

فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

(جاری ہے)

• • •

مولانا لئیق احمد نعمانی
رفیق شعبہ تصنیف وتالیف
جامعہ دارالتقویٰ لاہور

گوشۂ طلبہ

الحمدللہ ’’جامعہ دارالتقویٰ‘‘ ملک پاکستان کا ایک مؤقر دینی ادارہ ہے، جس کی کل سترہ شاخیں (مدارسِ دینیہ: بنین و بنات کی شکل میں) مختلف شہروں میں مصروفِ عمل: علمِ دین کی روشنی پھیلا رہی ہیں، چونکہ ان سترہ شاخوں میں ہزاروں طلبہ وطالبات زیرِ تعلیم ہیں، جو کہ امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایا ہیں، اس لیے ’’جامعہ دارالتقویٰ‘‘ ان طلبہ وطالبات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی خاص توجہ دیتا ہے، اور طلبہ وطالبات کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مفید اقدامات کرتا رہتا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ ماہ نامہ ”دارالتقویٰ“ میں شعبہ تصنیف وتالیف کے سینئر مفتی فیصل حمید صاحب کی نگرانی میں ایک سلسلہ ”گوشۂ طلبہ“ کے نام سے شروع کیا جا رہا ہے، جس میں ان شاء اللہ العزیز مختلف پہلوؤں پر طلبہ و طالبات کی رہنمائی سے متعلق تحریرات شامل کی جائیں گی۔

چونکہ ’’اردو زبان‘‘ پاکستان کی قومی اور ملک کے ہر حصے میں پڑھی، لکھی، بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ تحریر وتقریر: ہر دو باب میں اس زبان کے اسلوب وقواعد کو جان لیا جائے، سرِ دست تحریر سے متعلق ایک سلسلہ ’’قواعدِ اردو‘‘ کے نام سے شروع کیا جا رہا ہے، انشاء اللہ العزیز عنقریب دیگر سلسلہ جات بھی شروع کیے جائیں گے۔

قاعدہ نمبر ۱:

دوچشمی ”ھ“ صرف مخلوط ہائیہ آوازوں کے لیے مخصوص رکھی جائے اور جہاں آواز الگ ظاہر ہوتی ہے وہاں دوچشمی ”ھ“ ہرگز استعمال نہ کی جائے مثلاً: ”دہن اور دہر“ کو ”دھن اور دھر“ نہ لکھا جائے، اسی طرح ”انہیں کے بجائے انھیں، تمہیں کے بجائے تمھیں، انہوں نے کے بجائے انھوں نے“ لکھنا درست ہے۔

قاعدہ نمبر ۲:

”ے“ سے پہلے والے حرف پر جب ”زبر“ ہو تو اس کے بعد ”ے“ پر ہمزہ تحریر ہوگا مثلاً: آئے، گئے، لائے اور جب ”ے“ سے پہلے والے حرف پر ”زیر“ ہو تو اس ”ے“ پر ہمزہ تحریر نہیں ہوگا، وہاں ”ے“ کے نیچے دو نقطے لگائے جائیں گے، جیسے: دیجیے، لیجیے، کیجیے وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۳:

وہ الفاظ جن کے آخر میں ”ہائے مختفی“ ہو انھیں حالتِ مفعولی میں ”ے“ سے لکھا جائے، یعنی مزہ دار کے بجائے مزے دار، معاملہ کے بجائے معاملے اور مسئلہ کے بجائے مسئلے، مثلاً: میں اس معاملے میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔

قاعدہ نمبر ۴:

کہنا، بہنا، سہنا کے افعال امر میں ”ہ“ کو دو بار لکھنا چاہیے، جیسے: کہہ، بہہ، سہہ، لیکن ”کہ اور جگہ“ وغیرہ کے آخر میں ”ہائے مختفی“ ایک بار ہی لکھی جائے۔

قاعدہ نمبر ۵:

فارسی کے وہ الفاظ جن میں ”خ“ کے بعد ”واؤ“ آئے، اس واؤ کو پڑھا نہیں جاتا یعنی تلفظ میں ساکت رہتی ہے اور اس ”واؤ“ کو واؤ معدولہ کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں: خود، خویش، خوش، خوردن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں)، خواندان (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں) لیکن بعض خواب، خواہش، خواستن (اور اس سے جو الفاظ نکلے ہیں)، خواہر، خواجہ، خوارزم (ملک کا نام) ان الفاظ میں واؤ کی خفیف سی آواز ظاہر ہوگی۔ تجوید پڑھتے ہوئے طلبہ اس کو آسانی سے اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جن الفاظ میں واؤ کی خفیف سی آواز ظاہر

ہونا بتایا گیا ہے، ان الفاظ میں ''خ'' کی آواز کو ہلکا سا پُر کر دیں تو واؤ کی خفیف آواز پیدا ہو جائے گی۔

قاعدہ نمبر ٦:

بعض فارسی حروف کے آخر میں ''ہ'' لگی ہوتی ہے، یہ اصل لفظ کا جز نہیں ہوتی، بلکہ زائد ہوتی ہے، اس کا تلفظ ''زبر'' کا سا ہوتا ہے۔ گویا یہ اعراب کا کام دیتی ہے، جیسے: ہفتہ، روزہ دار ایسی ''ہ'' کو ''ہائے مختفی'' کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ٧:

اردو میں بعض الفاظ ایسے ہیں جہاں ''واؤ'' بجائے ''پیش'' کے استعمال کی جاتی تھی، لیکن اب وہ متروک ہوتی جاتی ہے، مثلاً: اوس (بجائے اس)، پہونچنا (بجائے پہنچنا)، پورانا (بجائے پرانا)، چورانا (بجائے چرانا) لکھتے تھے۔

• • •

بدنی عافیت کی دعا اور کفر و فقر سے حفاظت

(تین مرتبہ) اَللّٰھُمَّ عَافِنِيْ فِي بَدَنِيْ، اَللّٰھُمَّ عَافِنِيْ فِي سَمْعِيْ، اَللّٰھُمَّ عَافِنِيْ فِي بَصَرِيْ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ، اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ

ترجمہ: اے اللہ! میرے جسم میں عافیت نصیب فرما۔ اے اللہ! میرے کانوں میں عافیت نصیب فرما۔ اے اللہ! میری آنکھ میں عافیت نصیب فرما۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! کفر میں مبتلاء ہونے اور فقر کا شکار ہونے سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ صبح شام اِس دُعاء کو پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد: 5090)

دارالافتاء والتحقیق

جامعہ دارالتقویٰ لاہور

آپ کے مسائل کا حل

ماہ صفر کو منحوس سمجھنا

صفر کے مہینے کو شاید اس لیے منحوس سمجھتے ہیں کہ اس مہینہ میں آپ ﷺ بیمار ہوئے۔ کیا اس ماہ میں ایسے معاملات رکھنا جیسے کوئی خوشی قبول نہ کرنا، نکاح شادی وغیرہ نہ کرنا، کیسا ہے؟

الجواب: بسم اللہ حامداً و مصلیاً

شریعت کی رو سے صفر کا مہینہ بھی عام مہینوں کی طرح ہے۔ جاہلی دور میں لوگ صفر کے منحوس ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا صفر في الإسلام یعنی اسلام میں صفر کے منحوس ہونے کا کوئی عقیدہ نہیں ہے۔

زندگی میں تقسیم میراث کا حکم

جناب عالی گذارش ہے کہ بندہ اپنی زندگی میں اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کو وراثت جو کہ ایک عدد مکان جس کی مالیت (10000000) ایک کروڑ روپے ہے، دینا چاہتا ہے۔ اپنا اور اپنی بیوی کا حصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ آج سے تقریباً 10 سال پہلے میرا بڑا بیٹا فوت ہوگیا تھا جس کی تاریخ وفات 09-1-7 ہے اس کا ایک بیٹا 10 سال کا ہے جو کہ میرے پاس نہیں ہے وہ اپنی ماں کے پاس ہے جس نے میرے بیٹے کے فوت ہونے کے بعد شادی کر لی تھی اور میری بیوی بھی حیات ہے پوچھنا یہ تھا کہ اس مکان کی وراثت میں ہم

سب کا کتنا کتنا حصہ بنتا ہے میرے اس وقت تین بیٹے زندہ ہیں اور ایک فوت ہو گیا ہے اس کے بیٹے کا نام علی ولد شکیل ہے جو اپنی ماں کے پاس رہتا ہے اور میری چار بیٹیاں ہیں شریعت کے مطابق ان سب کا اور میرا اور میری بیوی کا کتنا حصہ بنتا ہے براہِ مہربانی شریعت کے مطابق رہنمائی فرمائیں۔

جواب: جب تک بندہ زندہ ہے تب تک جائیداد میں شرعاً کسی کا کوئی حصہ نہیں بنتا وراثت کا تعلق انسان کے فوت ہونے کے بعد سے ہوتا ہے زندگی میں اپنے ہونے والے ورثاء کو جو کچھ دیا جائے یا جائیداد تقسیم کی جائے اس کی حیثیت ہبہ (Gift) کی ہے۔

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

(1) اپنی اولاد میں سے لڑکے اور لڑکیوں کو برابر حصہ دے یہ افضل ہے۔

(2) لڑکیوں کو ایک ایک حصہ اور لڑکوں کو دو دو حصے دے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

اپنے مرحوم بیٹے کا حصہ اپنے پوتے کو دے سکتے ہیں۔

مزدوروں کی مزدوری

سوال: ہمارا تعلق ایک غلہ منڈی سے ہے، غلہ منڈی کے چند مسائل کا جواب مطلوب ہے۔

(1) منڈی میں زمیندار کے مال کو گاڑی سے اتارنا، اس کا ڈھیر لگانا اور بولی لگنے کے بعد اسے بوریوں میں بھر کر تولنا، یہ سب کام مزدور کرتے ہیں۔ ان مزدوروں کی مزدوری فی بوری 7 روپے ہوتی ہے۔ یہ مزدوری زمیندار سے لی جاتی ہے اور ان تمام مراحل کے بعد اگر کوئی کام مزدور سے لیا جائے تو اس کی مزدوری مثلاً مال کو اٹھا کر آڑھتی کے گودام میں رکھنا وغیرہ آڑھتی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اسی طرح جب باہر کے کسی بیوپاری کو سامان بھجوانا ہے تو مال لوڈ کروانے کی مزدوری اس بیوپاری سے لیتے ہیں۔ کیا مزدور کی مزدوری مذکورہ صورتوں میں زمیندار، آڑھتی اور بیوپاری سے لینا جائز ہے؟

جواب:

مذکورہ صورت میں زمیندار کے مال کو تولنے اور اتارنے کا خرچہ زمیندار ہی کے ذمے ہے جو کہ جائز ہے۔ اسی طرح وزن کرنے اور اتارنے کے بعد کا خرچہ آڑھتی کے ذمے ہے یہ بھی جائز ہے اور لوڈنگ کا خرچہ بیوپاری سے لینا بھی جائز ہے۔

غلہ منڈی میں جھاڑو والے کی مزدوری

سوال: (2) غلہ منڈی میں زمیندار کے مال کا جب مزدور ڈھیر لگاتے ہیں اور پھر بوریوں میں بھرتے ہیں، اس دوران مونگ پھلی اِدھر اُدھر بکھرتی ہے۔ منڈی میں جھاڑو والے بھی ہوتے ہیں جو مونگ پھلی کو بکھرنے نہیں دیتے بلکہ جھاڑو کے ذریعے اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کی واقعی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ یہ جھاڑو کا کام مرد بھی کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ اس جھاڑو والے کو کام کی اجرت اس طرح دی جاتی ہے کہ آخر میں تھوڑی سی مونگ پھلی اس کے لیے رہنے دی جاتی ہے جو تقریباً ایک دو کلو ہوتی ہے۔ مونگ پھلی چونکہ مہنگی آئٹم ہے اور 100 روپے کلو کے حساب سے بک جاتی ہے تو جھاڑو والا گویا کہ سو دو سو کما لیتا ہے۔ مال چونکہ بوریوں میں بند ہونے کے بعد تولنا ہوتا ہے، اس لیے یہ مزدوری بھی زمیندار کے مال سے ہی ہوتی ہے البتہ بعد میں اگر خریدار آڑھتی آگے فروخت کرنے کے لیے ڈھیر لگائے تو اب جھاڑو والے کی مزدوری آڑھتی کے مال سے شمار ہوگی۔

جھاڑو والے سے مزدوری ابتداءً طے نہیں ہوتی اور نہ ہی باقاعدہ اس سے کوئی معاملہ ہوتا ہے۔ اکثر زمینداروں کو تو اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کے مال میں سے کٹوتی کیوں اور کتنی کی جا رہی ہے؟ البتہ پوری منڈی میں یہ عرف ہے کہ جب ڈھیر لگایا جاتا ہے تو ایک جھاڑو والا خدمت کرتا ہے اور اس کے بدلے آخر میں تھوڑی سی مونگ پھلی اس کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ زمیندار کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے چاہے تو دے دے، چاہے نہ دے۔ بعض زمیندار ایسے بھی ہوتے ہیں جو مونگ پھلی کا ایک دانہ بھی نہیں دیتے اور بعض جھولی بھر کر بھی دے دیتے ہیں۔

1۔ کیا منڈی کے عرف کی وجہ سے باقاعدہ طور پر کوئی معاملہ طے کیے بغیر جھاڑو والے سے کام لینا درست ہے؟

2۔ آخر میں تھوڑی سی مونگ پھلی جس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی جھاڑو والے کے لیے بطور مزدوری چھوڑنا درست ہے؟

3۔ کیا جھاڑو والے کے کام کو زمیندار کے علم میں لانا ضروری ہے؟

جواب: (1) پوری منڈی میں اس کا عرف ہے تو پھر باقاعدہ طے کئے بغیر بھی جھاڑو والے سے کام لینا درست ہے۔

(2) منڈی کے عرف کے مطابق ایک دو کلو مونگ پھلی جھاڑو والے کی مزدوری کے طور پر چھوڑنا درست ہے اگرچہ اس چھوڑی ہوئی مونگ پھلی کی مقدار حتمی طور پر طے نہیں ہوتی لیکن چونکہ عموما یہ ایک دو کلو ہی ہوتی ہے اور کسی نزاع کا باعث بھی نہیں بنتی اس لئے اتنی جہالت کی گنجائش ہے۔

(3) آڑھتی چونکہ زمیندار کا وکیل اور ایجنٹ ہے اس لئے آڑھتی کے علم میں ہونا کافی ہے۔ زمیندار کے علم میں لانا ضروری نہیں ہے۔

ایک زمیندار کی مختلف بوریوں میں مختلف کوالٹی کا مال

سوال: غلہ منڈی میں ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ زمیندار مثلاً 30 بوریاں لایا ان میں سے 10 کو ڈھیر کیا اور ان پر بولی لگی اور ایک ریٹ طے ہو گیا لیکن زمیندار نے کہا کہ میری دوسری بوریوں میں مال اس سے اچھا ہے لہٰذا ان کا ریٹ اس ریٹ سے زیادہ ہونا چاہیے تو پھر آڑھتی حضرات ان 20 بوریوں کا ریٹ دوبارہ لگائیں گے اور ان پر بولی دوبارہ ہوگی۔ جو پہلے 10 پر ریٹ لگا وہ الگ ہوگا اور بعد والی 20 پر الگ ریٹ لگے گا۔ کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟

جواب:

جب ایک دفعہ بولی لگ کر ایجاب وقبول ہو گیا تو بیع مکمل ہو گئی۔ اب زمیندار کا اس معاملے سے پیچھے ہٹنا درست نہیں۔ البتہ اگر خریدار راضی ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ اس لئے زمیندار کو چاہیے کہ وہ ایسی صورت میں پہلے سے ہی صرف دس بوریوں کی بات کرے اور ان ہی کی بولی لگوائے۔ باقی بیس بوریوں کی بولی ہی بعد میں لگوائے۔

ملازمت کے اوقات میں ذاتی کام کرنا

میں آپٹیکل کی دکان پر کام کرتا ہوں، اسی حوالے سے پچھلے چار سالوں سے میں نے اپنے گھر میں بھی اس کام کو شروع کیا ہوا ہے اور ہوتا یہ ہے کہ اگر میرا کوئی ذاتی کسٹمر آتا ہے تو میں دکان کے وقت میں اس کا کام بھی کر دیتا ہوں۔ آیا یہ میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا ناجائز ہے؟

جواب:

آپ کے لئے ملازمت کے اوقات کار میں اپنی آمدنی کا کوئی دوسرا کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

● ● ●

مولانا طاہر جمیل

استاد جامعہ دار التقویٰ لاہور

جامعہ کے شب و روز

✵ مورخہ 4 دسمبر بروز بدھ بعد نماز ظہر جامعہ ہذا میں ”تحریک پاکستان میں علما کا کردار“ کے عنوان سے بزمِ گلزار منعقد ہوئی جس کے مہمانِ خصوصی مہتمم ادارہ حضرت مولانا محمد اویس صاحب اور حضرت مولانا نعیم الدین صاحب تھے۔ اساتذہ وطلبہ نے اس بزم میں بھرپور شرکت کی اور مختلف پروگراموں میں حصہ لیا۔ مولانا اویس صاحب نے شعبہ تصنیف وتالیف کی خدمات کو سراہتے ہوئے تعریفی کلمات کہے اور مولانا نعیم الدین صاحب نے بھی اپنی گفتگو میں طلبہ واساتذہ کی کاوش کو سراہا اور طلبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

✵ جامعہ کے دو ماہی امتحانات مورخہ 7 اور 8 محرم الحرام کو منعقد ہوئے۔ 9 اور 10 محرم کو ادارہ ہذا میں تعطیل تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبہ و طالبات نے اللہ کے راستے میں سہ روزہ کے لئے خود کو پیش کیا۔ الحمد للہ طلبہ کی 3 جماعتیں بنیں جن کی قریب کے علاقہ جات میں تشکیل ہوئی۔

✵ 12 دسمبر بروز جمعرات بعد از نماز عشاء مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے زیر اہتمام جامع مسجد الہلال میں ختم نبوۃ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جامعہ کے طلبہ، اساتذہ اور اہلِ علاقہ نے بھرپور شرکت کی۔ شاہین ختم نبوۃ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب اور جمعیت علما اسلام کے مرکزی رہنما حضرت مولانا امجد خان صاحب نے شرکاء سے خطاب کیا۔

● ● ●

التقویٰ بوائز ہائی سکول

(سائنس و آرٹس)

With Competent,
Energetic and Professional
Administration

حافظ، غیر حافظ بچوں کیلئے دینی ماحول میں سکول کی تعلیم

ٹیسٹ سیشن

حفظ کی دہرائی

کوالیفائیڈ و تجربہ کار اساتذہ

عربی و انگریزی پر یکساں فوکس

بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت

شخصیت کی تعمیر پر خصوصی توجہ

کمپیوٹر و سائنس لیب

100 فیصد
نتائج کا
حامل ادارہ

58 چوبرجی پارک لاہور

0423-5247910
0300-5553616

MONTHLY DAR-UL-TAQWA LAHORE CPL NO.338

دارالافتاء

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

جامعة دار التقوىٰ
لاهور

دینی مسائل کے حل اور سوالات کے جوابات کے لیے

دارالافتاء جامعہ دارالتقوی کی طرف سے واٹس ایپ پر

مستند مفتی حضرات کا ایک پینل

آن لائن

03004113082

اوقات کار: صبح 8 تا نماز عشاء

Zong CMPak WARID|Ward 57% 10:32AM

Jamia Darultaqwa

اذکار

سب سے افضل عمل کیجیے

10:10 AM

24 نومبر 2017

تقریب نتائج وتقسیم انعامات

سہ ماہی امتحان 1439ھ

جامعہ دارالتقوی لاہور

بیان

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب

Type a message

جامعہ دارالتقوی کی جانب سے

واٹس ایپ (whatsapp) پر

دینی معلومات کا سلسلہ

جاری ہے۔

آپ بھی اپنے واٹس ایپ پر دینی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

دینی معلومات حاصل کرنے کے لیے

اپنے واٹس ایپ سے RINFO لکھ کر 03222333224 پر بھیجیں۔

عین آرٹ